اجنبی سمندر
JALALI BOOKS
KUTUB KHANA
بشر نواز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اجنبی سمندر

بشر نواز

جوبلی پارک، اورنگ آباد، مہاراشٹر

سال اشاعت ——— ۱۹۹۷ء

تعداد ——— ایک ہزار

قیمت ——— ۱۰۰ روپے

ترتیب و تزئین ——— عارف خورشید، ابوبکر رہبر

زیرنگرانی ——— قاضی مشیر

سرورق ——— ڈان پرنٹرس، لوٹا کارنجہ اورنگ آباد

کتابت ——— ظہیر اشرف، سید عبدالستار

طباعت ——— ڈان پرنٹرس، لوٹا کارنجہ، اورنگ آباد

ناشر ——— نوائے دکن پبلیکیشنز

۶۷-۱۷-۱، نارائن نگر، جونا بازار، اورنگ آباد۔

ملنے کے پتے: مکتبہ جامعہ، جامعہ نگر، دہلی مکتبہ جامعہ پرنس بلڈنگ، بمبئی

ایجوکیشنل بک ڈپو، علیگڈھ

اِنتساب
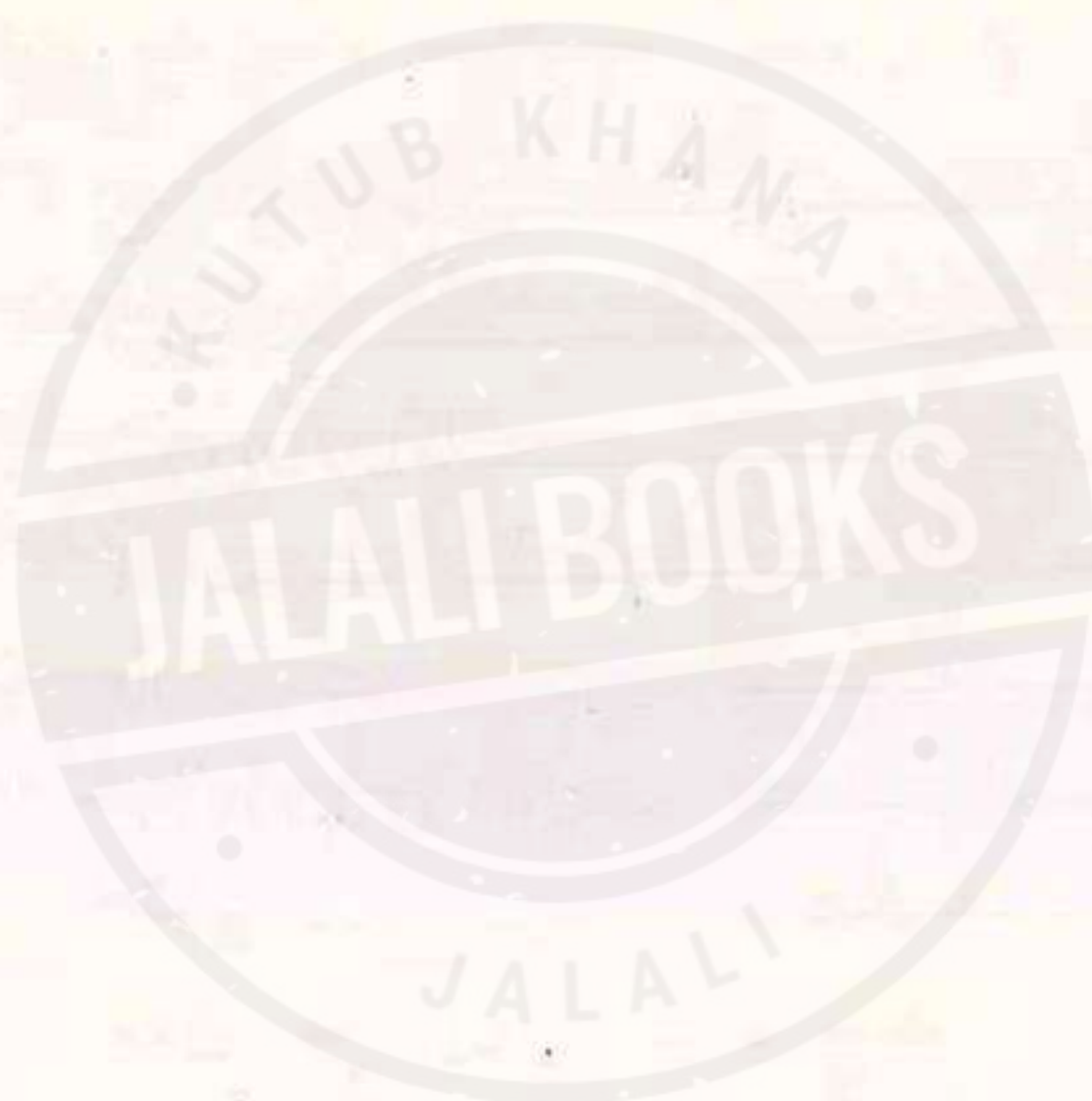
اپنے بیٹے یحییٰ کے نام ...

فہرست

نظمیں:

میں اپنا کیا نام لکھوں ۔۔۔۔۔ ۹

اجنبی سمندر ۔۔۔۔۔ ۱۱

پتہ نہیں وہ کون تھا ۔۔۔۔۔ ۱۴

نارسا ۔۔۔۔۔ ۱۶

حادثہ ۔۔۔۔۔ ۱۷

تماشہ گاہ کا بے بس تماشائی ۔۔۔۔۔ ۱۸

مشورہ ۔۔۔۔۔ ۱۹

وقت کے کٹہرے میں ۔۔۔۔۔ ۲۰

کھوئے گیتوں کا نوحہ ۔۔۔۔۔ ۲۱

خوشی کی زبان ۔۔۔۔۔ ۲۳

مناظر تتلیاں ہیں ۔۔۔۔۔ ۲۵

ایک نظم اپنے لئے ۔۔۔۔۔ ۲۷

یہیں منظر ٹھہر جائے ۔۔۔۔۔ ۲۸

یاد اک رہگذر ـــــــــــ ۲۹
زینہ زینہ ـــــــــــ ۳۰
بکھراؤ ـــــــــــ ۳۲
سراب سراب ـــــــــــ ۳۵
اندھیارا کب اتنا گھنا تھا ـــــــــــ ۳۶
جنم لیتا شہر ـــــــــــ ۳۷
دوریٔ دلبر ـــــــــــ ۳۸
حد نظر تک ـــــــــــ ۳۹
احساس ـــــــــــ ۴۱
نظم ـــــــــــ ۴۲
اک سوچ ـــــــــــ ۴۳
اعتراف ـــــــــــ ۴۴
سرحد نور سے ادھر ـــــــــــ ۴۵
بیاباں ہیں درمیاں ـــــــــــ ۴۷
منظر پس منظر ـــــــــــ ۴۹
کفارہ ـــــــــــ ۵۱

وقت زندگی اور میں ــــــــــــــ ۵۲
منظر ــــــــــــــ ۵۵
مجھے جینا نہیں آتا ــــــــــــــ ۵۶

غنائیہ:

منزل بہ منزل ــــــــــــــ ۶۱

ہائیکو: ــــــــــــــ ۷۷
آزاد ہائیکو ــــــــــــــ ۸۲

غزلیں: ــــــــــــــ ۸۵ تا ۱۳۲

نظمیں

اپنے بدن میں اپنے ہی ناخن گڑے رہے

اِس خود اذیتی کے بھی چرچے بڑے رہے

میں اپنا نام کیا لکھوں

میں اپنا نام کیا لکھوں
کہ سارے نام کچھ بے معنی حرفوں کا تسلسل ہیں،
لکھوں تو واقعہ لکھوں
کہ ہر اک واقعہ بے لفظ ہونے پر بھی مفہوم رکھتا ہے
لکھوں، جب ماں کی ہیروں جیسی آنکھوں میں
مجھے پہلے پہل بدلی نظر آئی
تو خوں میں کتنے سورج ریزہ ریزہ ہو کے بکھرے تھے
لکھوں جب راستہ چلتے ہوئے
معصوم ننھا ہاتھ، کاسہ بن کے پھیلا تھا
تو پاؤں کیسے پتھر ہو گئے تھے
اور بھرے رستے نے کیسے دھند کی چادر میں اپنا منہ چھپایا تھا
لکھوں ___ کاجل کی ڈوری سے بندھے ہرنوں کی بکھری داستاں لکھوں
برس بیتے ....
مگر سوچوں تو بھولی بسری کوئی یاد

دھیرے دھیرے اک تصویر بنتی ہے

دھندلکا، الٹی سیدھی گرم سانسوں سے پگھلتا تھا
جھکی پلکیں تھیں

وہ لب، جانے کیا کہنے کی خاطر کانپ اٹھے تھے

رس بیتے

مگر میں اب بھی اپنے دِل سے کہتا ہوں

ٹھہر — شائد کہیں سے اب بھی وہ آواز آجائے

لکھوں، جلتے مکانوں، زرد چہروں
— بھیگی آنکھوں کے شکستہ آئینوں میں کیسے کیسے عکس ننگے ہو کے ملتے ہیں

لاتم، سرد سبزے کی روش کے نیچے کیسے آگ کے دریا مچلتے ہیں
لکھوں، ٹوٹے ہوئے شیشے کی کرچیں، چھنتے چھنتے

..... انگلیاں جب شمع بنتی ہیں
تو بند آنکھوں سے بھی کِس طرح سو سو رنگ کے منظر گذرتے ہیں

بکھرتے ابر میں بھی کِس طرح چہرے ابھرتے ہیں
لِکھوں کیا نام اپنا
واقعہ ہُوں — واقعہ لِکھوں

اَجنبی سمندر

اور پھر
ایک انجانے سے جھونکے نے ہمیں
بیکراں کالے سمندر کے حوالے کر دیا
کف اڑاتی چیختی سیال دیواروں کے بیچ
کر دیا محصور ذہن و جسم کو کچھ اس طرح
اپنی مرضی سے ذرا جنبش بھی کر سکتے نہیں
موج سے جب موج ٹکراتی ہے
پَل بھر کے لیے آزاد ہو جاتے ہیں ہم
اپنی آزادی کی عمر
ایک سے ــــــ دوسرا ــــــ اور دوسرے سے تیسرا
زنداں بدل لینے کی مہلت پر محیط

اور ہم
اپنی اپنی سوچ میں ڈوبے ہوئے
خوشنما پیکر، انوکھے دائرے
نِت نئے منظر خلاؤں میں بناتے بہہ رہے ہیں چار سُو
چاند تاروں، اڑنے والے طائروں کے عکس کے
پیچھے پیچھے دوڑتے ہیں اپنے زندانوں کے ساتھ

اور جب بھی اتفاقاً

کچھ گریزاں، عکس پر اں ڈال دیتا ہے ہماری گود میں

ان کو اپنی کوششوں کا پھل سمجھ لیتے ہیں ہم

اے سمندر اجنبی

اس گرفتاری کی مجبوری کی ساری عمر میں

ایک لمحہ تو بتا

جو ہمارے اور ہمارے ہی تصرف میں رہا

ایک تو لمحہ بتا

اپنی مرضی سے جسے ٹھہرا سکے

اپنا سب کچھ ہار کے بھی جستجو واپس لا سکے

کم سے کم، دل کھول کر جسکو کبھی اپنا سکے

ہر گزرنے والا لمحہ بھی یاد سے منسوب لمحہ ٹوٹے تارے کی طرح

تیرگی سے پھوٹ کر

تیرگی کے جسم پر

کھینچتا اک خطِ نور

جانے کس انجان تاریکی میں ہو جاتا ہے گم

بیکراں پہنائیوں میں ٹوٹے تارے کی تلاش

عمر بھر کی بکھری ہوئی موجوں میں اک خشخاش کے دانے کی

مہمل جستجو

اے سمندر اجنبی
اس کنارے تک کبھی جائیں گے ہم
جس کی اجلی نرم ریت
آنے والوں کے لیے قالین ہے

اور جہاں
عشقِ پیچاں کی دہکتی مشعلیں ——
روشن ہیں، بھٹکے رہرووں کے واسطے
اور جھرنوں کے مدھر سنگیت پر خود رو گلاب
خوشبوؤں کے رقص میں مصروف ہیں

اور جہاں
نرم ہریالی کی خوشبو سے فضا۔ بوجھل ہے یوں
جیسے اِک نوخیز شرمیلی دلہن
اور ہوائیں۔ جیسے بعدِ وصل میٹھی سی تھکن

اور جہاں
سات رنگوں سے بنے ایواں میں خوابوں کی کنواری جل پری
منتظر ہے، سات دریا، سات صحرا
پار کر کے آنے والے شاہزادے کے لیے

اے سمندر اجنبی
دیکھ ہم —— کتنے دریاؤں کے طوفاں کتنے صحراؤں کی دھوپ
اپنے خوں میں جذب کر کے آئے ہیں

پتہ نہیں وہ کون تھا

پتہ نہیں وہ کون تھا

جو میرے ہاتھ
موگرے کی ڈال پنکھ مور کا تھما کے چل دیا

پتہ نہیں وہ کون تھا
ہوا کے جھونکے کی طرح جو آیا اور گزر گیا
نظر کو رنگ، دل کو نکہتوں کے دکھ سے بھر گیا
میں کون ہوں
گزرنے والا کون تھا

یہ پھول پنکھ کیا ہیں کیوں ملے
یہ سوچتے ہی سوچتے، تمام رنگ ایک رنگ میں اتر گئے
سیاہ رنگ
تمام نکہتیں ادھر ادھر بکھر گئیں
خلاؤں میں

یقین ہے ..... نہیں نہیں گمان ہے
وہ کوئی میرا دشمنِ قدیم تھا
دکھا کے جو سراب میری پیاس اور بڑھا گیا
میں بے حساب آرزوؤں کا شکار
انتہائے شوق میں فریب اُس کا کھا گیا

گمان ہے — نہیں نہیں یقین ہے
وہ کوئی میرا دوست تھا
جو دو گھڑی کے واسطے ہی کیوں نہ ہو
نظر کو زنگ، دل کو نکہتوں سے بھر گیا
پتہ نہیں کدھر گیا
میں اسکو ڈھونڈتا ہوا
تمام کائنات میں
اِدھر اُدھر بکھر گیا
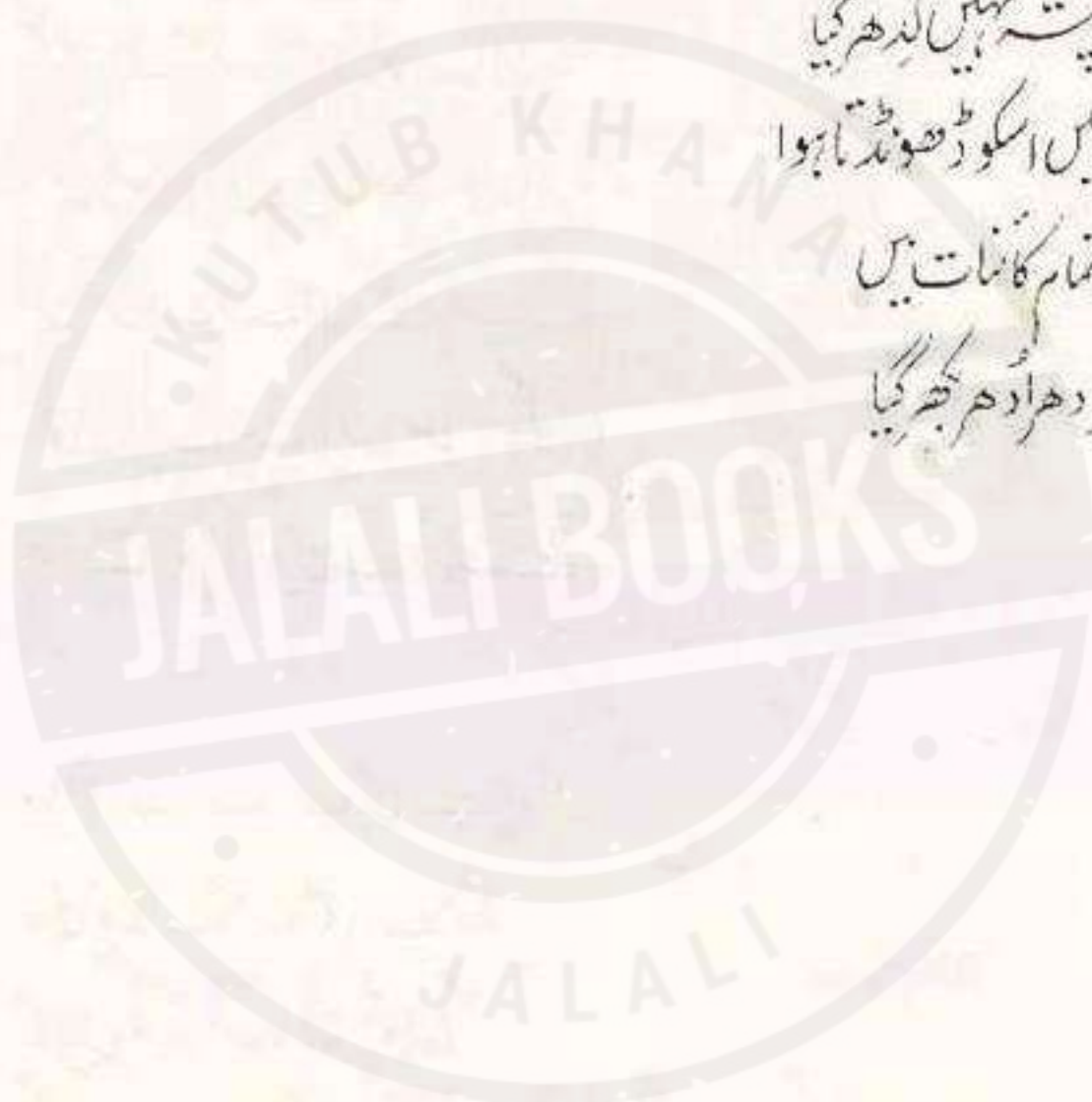
نارسا

مجھے خواب اپنا عزیز تھا
سو میں نیند سے نہ جگا کبھی
مجھے نیند اپنی عزیز ہے
کہ میں سرزمین پہ خواب کی
کوئی پھول ایسا کھلا سکوں
کہ جو مشک بن کے مہک سکے
کوئی دیپ ایسا جلا سکوں
جو ستارہ بن کے دمک سکے

مرا خواب اب بھی ہے نیند میں
مری نیند اب بھی ہے منتظر
کہ میں وہ کرشمہ دکھا سکوں
کہیں پھول کوئی کھلا سکوں
کہیں دیپ کوئی جلا سکوں

حادثہ

اس نے بھٹی سے ذرا جھانک کے
پل بھر کے لیے پیچھے پلٹ کر دیکھا
موٹ نے پگھلی، چمکتی ہوئی چاندی اگلی
جھک کے سورج نے اُسے چوما تو ست رنگی دھنک پھوٹ پڑی
کوئی آوارہ، بھٹکتا جھونکا
بیر کے پیڑ سے اٹھکیلیاں کرتا گذرا
فرش پر سرخ نگینے سے ٹپاٹپ ٹپکے
سبز پوشاک میں لپٹی ہوئی دوشیزائیں
جھک کے سرگوشیاں کرنے لگیں
پازیب بجاتی ہوئی خوشبو کی پری آئی
گھڑی بھر ٹھہری
اور بے نام سی منزل کی طرف دوڑ گئی
اس نے پہچان کے آواز دی
"میں بھی ہوں ترے ساتھ ....." مگر
پڑ گیا حلق میں تیزابی دھوئیں کا پھندہ —— قہقہہ لوہے کا گونج اٹھا
سبھی ساتھی پکارے .... "وہ گیا"
سائرن چیخ کے بولا، کوئی "دیوانہ تھا"

تماشاگاہ کا بے بس تماشائی

تسارٔ ٹوٹتا ہے
سیہ مخمل کے پردے پر کوئی تلوار چلتی ہے
کوئی غنچہ، لچکتی شاخ، کوئی اونگھتا پنچھی
گھڑی بھر، بلکہ اک پل کو
اندھیرے کی ردا سرکا کے جیسے جھانک لیتا ہے
(یہاں منظر بدلتا ہے)
کوئی بھولا ہوا لمحہ
افق سے حافظے کے ٹوٹتا ہے
بطن سے اس کے کوئی اک اور
اس کے بطن سے کوئی، پھر اس سے اور کوئی ......
ذہن میں جیسے مسلسل پھلجھڑی سی چھٹتی جاتی ہے
عجب سا کھیل ہے
کٹ کٹ کے پردے گرتے جاتے ہیں
گئے منظر کو پھر سے دیکھنے کی تاب کس میں ہے
میں چلاتا ہوں ...... کہتا ہوں
یہاں منظر بدلنا تھا ...... یہاں منظر بدلنا تھا
مگر پردہ ہی گرتا ہے نہ منظر ہی بدلتا ہے

شور

بے ضرر نظمیں لکھو ــــ سکوں سے جیو
جو بھی ہے ٹھیک ہے
جو نہیں وہ بھی سب ٹھیک ہو جائے گا
ایک منتر سے ہر درد کھو جائے گا
آنکھ سے سچ کا کانٹا نکالو
کھٹکتا ہے یہ، چین سے سونے دیتا نہیں
سچ بری چیز ہے اس سے بچتے رہو
وقت کا جام صحت پیو یا قصیدہ کہو
غیر موجود سوئی سے موجود کا چاک دامن سیو
بے ضرر نظمیں لکھو۔ سکوں سے جیو
خود کو ڈھونڈو طلسماتِ نابود میں
ہست میں بود میں، دود میں عود میں، سود ناسود میں
لفظ رنگین پرندے ہیں پالو انہیں
اوب جاؤ تو نیلی فضا میں اڑا لو انہیں
زندگی سے الجھ کر کسے کیا مِلا
اس سے ہوتا نہیں ہے کسی کا بھلا
سچ کے پیچھے بھٹکنے سے کیا فائدہ
بے ضرر نظمیں لکھو سکوں سے جیو

وقت کے کٹہرے میں

سُنو، تمہارا جُرم، تمہاری کمزوری ہے

اپنے جرم پہ
رنگ برنگے لفظوں کی بے جان رِدائیں مت ڈالو

سنو، تمہارے خواب تمہارا جرم نہیں ہیں

تم خوابوں کی تعبیر سے ڈر کر
لفظوں کی تاریک گپھا میں چھپ رہنے کے مجرم ہو

تم نے ہواؤں کے زینے پر
پاؤں رکھ کر
قوسِ قزح کے رنگ سمیٹے
اور خلاؤں میں اڑتے
فرضی تاروں، سیاروں کی باتیں کیں

تم مجرم ہو، اس ننھی کونپل کے جس نے
صبح کی پہلی شوخ کرن سے سرگوشی کی

تم مجرم ہو اس آنگن کے جس میں شاید
اب بھی تمہارے بچپن کی معصوم شرارت زندہ ہے

تم مجرم ہو / تم نے اپنے پاؤں سے لپٹی مٹی کو
ایک اضافی چیز سمجھ کر جھاڑ دیا

کھوئے گیتوں کا نوحہ

صحرا میں آوارہ صداؤں جیسے ہمارے گیت
آپ ہی اپنی گونج بنے ہیں
گھومیں، بھٹکیں بن کے مہاجر آج کے سارے گیت
کہاں گئے وہ گیت

کہاں گئے وہ گیت جو دکھ میں سکھ میں ساتھ رہے
جیسے فلک پر رنگ دھنک کے بول ہونٹوں پہ سجے
کونپل بن کر دل کی دھرتی سے جو پھوٹ پڑے
کہاں گئے وہ گیت

جن کے اندر بیتے بندھن میں
پیڑھی پیڑھی بندھتی آئیں ہنس مکھ دوشیزائیں
چوڑی چکلی چھاتی والے ویر جنھیں اپنائیں
کانپتی پلکوں پر تارا ہوں جو آنچل میں موتی
دھیرے دھیرے جلنے والی آشاؤں کی جیوتی
کہاں گئے وہ گیت

ندیا جیسے بہتے وقت پہ جو اک پل بن جائیں
یگ یگ کی تصویریں اپنے درپن میں دکھلائیں
کہاں گئے وہ گیت

بہتے جھرنو
مست ہواؤ
ان گیتوں کا
پتہ بتاؤ
گندھا ہوا ہے جن میں صدیوں صدیوں کا سنگیت
کہاں گئے وہ گیت

خوشبو کی زبان
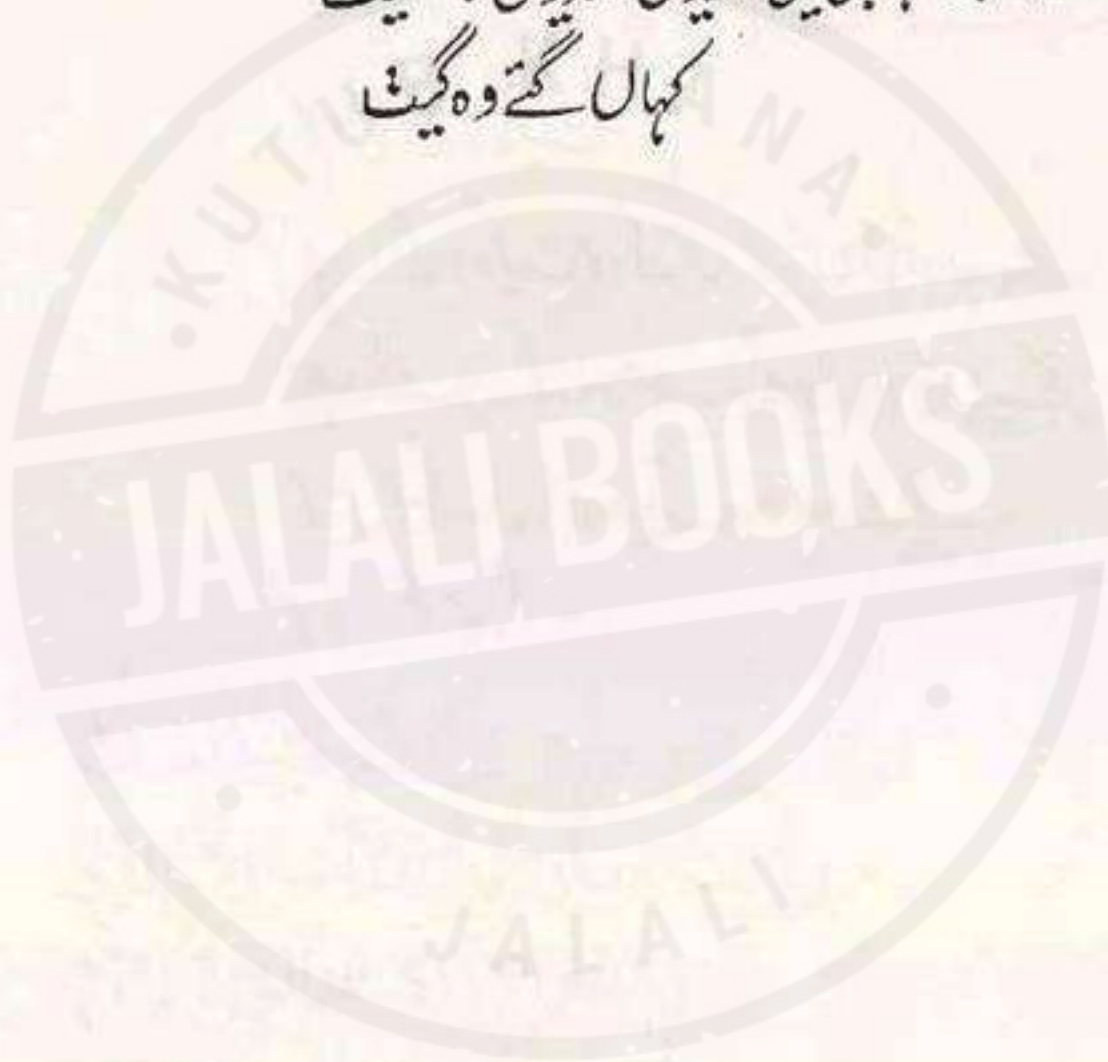
ایک بھلایا ہوا جھونکا یہ بتا کر گذرا
خوشبوئیں بات بھی کرتی ہیں فسانے بھی سُنا سکتی ہیں
بیتے لمحوں کو صدا دے کے بلا سکتی ہیں
کوئی بھولا ہوا نغمہ
کوئی بسرائی ہوئی بات ٹپک پڑتی ہے آنسو بن کر
آنسو آئینہ ہے
آئینے میں کتنے چہرے
روتے ہنستے ہیں، رلاتے ہیں ہنساتے ہیں کہیں دُور چلے جاتے ہیں
وقت ان دیکھے پر دل پر کسی لمحے کو اٹھائے
پھر پلٹ آتا ہے ٹھکرائے ہوئے چاہنے والے کی طرح
خوشبوئیں جسم نہیں
کوئی دیوار نہیں
چھنتی زنجیر نہیں
پھر بھی بہتے ہوئے رُک جاتا ہے کوئی منظر
کسی مندر کے پُراسرار کلس کی مانند
— دھند کے پردوں سے رہ رہ کر جھلک دیتا ہوا
خوشبوئیں

بھیگی رُتوں کو کسی دیوی کی شباہت دیکر
پھول یادوں کے
پجاری کی لرزتی ہوئی پلکوں پہ سجا دیتی ہیں
نیند کے بدلے، کسی درد کو آنکھوں میں بسا دیتی ہیں
خوشبوئیں
بات بھی کرتی ہیں فسانے بھی سنا دیتی ہیں

مناظر سُلگیا کیے ہیں

میں یوں بیٹھا تھا اور وہ یوں
مناظر دوڑے جاتے تھے
قطاریں جگنوؤں کی تھیں کہ بنتی ٹوٹتی زنجیر اجالے کی
سلگتے، بجھتے لمحوں میں
پڑھی تحریر دو آنکھوں نے، دو آنکھوں کی
..... "ہم میں اور تم میں مشترک اتنا بہت کچھ ہے"
لرزتی انگلیوں نے، انگلیوں کی ہی زباں سمجھی
شفق چہرے پہ اتری
دو ستارے، اس صحیفے کے کھلے اوراق تھے
جس کو خدا کے ہاتھ
پہلے دن سے اب تک لکھتے آئے ہیں
تمناؤں کے تشنہ جسم جھرنوں کے قریب آئے
اچانک ایک مدت کی بھلائی پیاس جاگ اٹھی
ترستے جلتے ہونٹوں میں
کنول کی پنکھڑی آئی، تو ایک اک رگ
عجب جادو بھری چنگاریوں کی رہگذر ٹھہری
اور.... اب میں یوں تھا اور وہ یوں

مناظر دوڑے جاتے تھے

مناظر تتلیاں ہیں
تتلیاں کچھ اڑتے رنگوں کے سوا دیتیں بھی کیا آخر
اب اک پرچھائیں یوں ہے اور میں یوں ہوں
یہ منظر بھی گذر جائے گا، منظر دوڑے جاتے ہیں

گذرتے نقش

اڑتی تتلیوں کے رنگ
ہم محفوظ کر لیں یا گنوا ڈالیں
تڑپ لیں، ہنس لیں یا رو لیں
گذرنے والے کو اس سے تعلق ہی بھلا کیا ہے
مناظر دوڑے جاتے تھے
مناظر دوڑے جائیں گے

ایک نظم اُس کے لیے

ساحل کی نرم ریت پہ لکھا جو پیار سے
اک موج آئی، اور بہا لے گئی وہ نام
اپنے لہو کے رنگ سے لکھا چٹان پر
دو ایک دن میں پڑ گیا پھیکا لہو تمام

آئینے پر جمی ہوئی ہلکی سی گرد پر
لکھا تو کوئی شوخ سا جھونکا اڑا گیا
مہتاب کی دمکتی جبیں پر خیال سے
لکھا تو اس پہ ابر کا پردہ سا چھا گیا

آخر فنا کی زد سے اسے یوں بچا لیا
گیتوں کا روپ دے کے سُروں میں سجا لیا

یہیں منظر ٹھہر جائے

تو میرا تصوّر ہے یا خواب کا درپن ہے
تازہ ہے گلابوں سے مہتاب سے روشن ہے
نظروں سے یوں ہی چوموں یا بڑھ کے تجھے چھو لوں
جب سے تجھے دیکھا ہے تب سے یہی الجھن ہے

یہ رنگ نہ سنولائے گرمی سے نگاہوں کی
ڈر ہے نہ پگھل جائے ہاتھوں کی حرارت سے
بیباکئی دِل بڑھ کر دیوار نہ بن جائے
خوف آنے لگا مجھ کو اب خود مری چاہت سے

ہے خواب اگر کوئی تو جاگتی آنکھوں کا
اس خواب کے بعد اب کیا میں خواب کوئی دیکھوں
گر صرف تصوّر ہے، تو میرا تخیّل ہے
بہتر ہے کہ بعد اس کے کچھ اور نہ میں سوچوں

یہ خواب اگر ہے تو بیدار نہ کر مجھ کو
بیدار جو ہوں دیدے خوابوں سے مفر مجھ کو

یاد اک رہگذر

تمہاری یاد ہے اک رہگذر جس کے کناروں پر
کئی بیتے ہوئے لمحوں کے برگد سایہ کرتے ہیں
گھنی شاخوں سے چھن چھن کر اترتی دھوپ چھاؤں میں،
خیالوں کے بھٹکتے کارواں اکثر اترتے ہیں

سنہرے بادلوں کے سائے میں وہ شربتی جھیلیں
وہ ان میں تیرتے، معصوم اجلے ہنس خوابوں کے
مہکتی گرم سانسیں، ان کہے سپنوں کی تعبیریں
پگھلتے اپنی حدت سے وہ آئینے گلابوں کے

لبوں میں آگ دوڑاتی وہ لذت لمسِ اول کی
جھجکتی جھینپتی خوشیاں وہ پہلی آشنائی کی
ستاروں کی خنک چھاؤں میں لو دیتی وہ تنہائی
نہاتی آنسوؤں میں وہ کڑی گھڑیاں جدائی کی

تمہاری یاد ہے اک رہگذر، جس سے کئی راہیں
نکلتی تو ہے لیکن، پھر یہیں پر لوٹ آتی ہیں
کسی بھی راہ کو اپنا ئیں تشنہ لب تمنائیں
چلی تھیں جس جگہ سے پھر وہیں پر لوٹ آتی ہیں

○

زینہ زینہ

دو کنارے سُرمئی
دھیرے دھیرے کھلتے روزن کی طرح
اور سنہرے نرم بالوں سے بھرا
آہستہ آہستہ ابھرتا ایک سَر
تیز ہوتی
تیز تر ہوتی مسلسل سسکیاں
نیلی چادر کے کناروں پر لہو
اور میں
آنے والے کے انوکھے خوف سے سہما ہوا
کیسی کیسی جان لیوا سوچ سے دہما ہوا ہے

۲

سر پہ جلتا اک الاؤ
اور پیروں کے تلے
آگ کی چادر بچھی
پتھروں کی گرم سانسیں جھکڑوں کے روپ میں
جیسے بدروحوں کے غول
راستے ـــــ پھنکاریں شعلے اگلتے اژدہے

شاخساروں پر بھیانک بے حسی کے گھونسلے
چار وں جانب بانہیں پھیلاتے ہوئے بیچارگی
منظروں کے جلتے چہروں پر تھی افسردگی
آسمانوں میں بھٹکتی بے سہارا ایک چیل
دشتِ ہو میں زندگی کی یکہ و تنہا دلیل
چیختی پھرتی ہیں آنکھیں
"کوئی سایہ، کوئی جھیل"

۳

ایک مقتل
ذبح ہوتا اک مسافر زرد رو
چار سو بہتا لہو
لحظہ لحظہ رنگ کھو کھو کر سیہ ہوتا ہوا
ملگجے ملبوس میں
سانس روکے ایک اک شے منتظر انجام کی

اور پھر
ایک بے بس جھرجھری سی ایک ہچکی آخری
حادثہ!
حادثے پر بال بکھراتے ہوئے انجان روحوں نے بڑا نوحہ کیا
ہچکیوں کی لَے پہ چھیڑے جیسے کوئی جوگیا

اور اس کے بعد... ہر منظر نظر سے چھپ گیا

۴

دھندلے دھندلے دشت میں

دم توڑتا اجلا پرند
راکھ سے دامن پہ چھینٹے خون کے
راستوں پر دور تک
رینگتی خاموشیاں
چھاؤں میں گل مہر کی
خون میں لتھڑی ہوئی
سوکھی باسی پتیاں
تنگ، مٹ میلی گلی کے پیچ و خم یا سانپ لیتا کروٹیں
وہم چادر برف کی اوڑھے ہوئے
جسم و جاں کے در پہ دیتا دستکیں
بے صدا بڑھتے ہوئے انجانے پاؤں
ایک سناٹے میں لپٹا سارا گاؤں
اب پکاروں میں کسے، کس سمت جاؤں
کس سمت جاؤں؟

○

بکھراؤ

میں وقت کی مملکت کا باسی
خود آپ اپنے کو جمع کرنے میں ریزہ ریزہ بکھر رہا ہوں
میں جیسے میداں ہوں اس لڑائی کا
روزِ اول سے مجھ میں اور مجھ میں جو بپا ہے
کمان کھینچی کسی نے ایسے
کہ اس کے دونوں سروں کی پہچان مِٹ گئی ہے
وہ لمحہ جس کو میں خود سے منسوب جانتا ہوں
پتہ نہیں کیوں، ہر ایک دِل میں
دھڑکنے لگتا ہے دُور افق پر ستارہ جیسے
پرایا ہوتا ہوں جس گھڑی میں
اسی گھڑی آپ اپنے اندر مچلنے لگتا ہوں جیسے نبضوں میں خوں کی گردش
جو اپنے تنہا وجود کا ایک جزو کاٹوں تو ایسے لگتا ہے
وقت کی لمحہ لمحہ بنتی طویل چادر کے تانے بانے بھی کٹ رہے ہیں
کمان کھینچی کِسی نے ایسے
کہ اس کے دونوں سروں کی پہچان مِٹ گئی ہے
تمام سمتیں
سبھی مناظر

وجود میں میرے دھیرے دھیرے
پگھل کے شکل اپنی کھو رہے ہیں
حواس سارے
حُدود اور فاصلوں کی میّت پہ رو رہے ہیں
میں بیکراں وسعتوں میں بے سمت و بے تحاشہ ہوا ہوں شاید
افق سے تا بہ افق بھٹکتی صدا ہوں شاید

○

سراب سراب

عمر ہی بند کواڑوں پر
دستک دیتے گذری ہے
بھولے بھٹکے کوئی کواڑ
کھل بھی گیا تو
اس کے آگے دیواریں
دیواروں کی اس جانب
آگ کا دریا
دریا پار بھی کریں تو
پھر ویسی ہی دیواریں
پھر ویسے ہی بند کواڑ
سارا چکر جان چکے
چھوڑو اب کیا دستک دیں

○

اندھیارا اک اتنا گھنا تھا

خوف سسکتا آنسو بن کر
وقت کی پلکوں میں اُلجھا ہے
منظر منظر ہنستے پیکر
دھند لپیٹے، خود کو سمیٹے
دھیرے دھیرے ڈوب رہے ہیں
اور ہم پاگل
سارے دریچے، سب دروازے کر کے مقفل
اپنی اپنی تاریکی میں
اپنے آپ کو ڈھونڈ رہے ہیں
وقت کڑا ہے
دستک دیتا سورج دروازے پہ کھڑا ہے
لیکن کس میں ہمت ہے جو
سانکل کھولے
وقت سے بولے
تیری پلک میں اُلجھا آنسو
رستے کی دیوار بنا تھا
اندھیارا اک اتنا گھنا تھا

جنم لیتا شہر

گذرتے موسم کا زرد سورج
چلا ہے خاموش سر جھکائے
پہاڑیوں سے اترتے جھرنے
افق کے دامن میں جیسے کچھ دھندلے دھندلے سائے
کپاس کے پھول
ڈھلتے دن کی لرزتی پلکوں پہ جھلملائے
پکھیرو پپیہا وداع کہنے
جوار کی بالیوں پہ آئے
کنیر کی تلخ تلخ خوشبو
فضا کی بوجھل اداسیاں اور بھی بڑھائے

نئی سڑک کے سرے پہ روشن
ہزار ہا قمقموں نے کالی مہیب چمنی کے گہرے سائے
سڑک کے اِس پار بھی بچھائے
قدم قدم بڑھتی تیرگی میں
ہر ایک شئے دھیرے دھیرے چپ چاپ ڈوبی جائے

دُوریٔ دِلبر

بستی سے دور پہاڑوں کا ، من موہک زنگار رنگ سماں
دوری کے پلوں کا ہے مہماں
تتلی کے پروں کی قوسِ قزح بادل میں بنے چہروں کی جھلک
ہیں سارے تماشے چھونے تک
آنکھوں کی چمک، چہروں کی ضیاؔ ، دیکھو تو سب ہی کچھ سچا ہے
جس رنگ کو پرکھو کچا ہے
لے آتی ہے اپنی تشنہ لبی ، کس شہرِ فسوں کے خوابوں میں
محصور ہیں سبھی سرابوں میں

○

حدِ نظر تک...

حدِ نظر تک گہرا ساگر
آگے پیچھے اندھیارا
بنتی ٹوٹتی چنچل موجیں
موجوں بیچ ستارہ
ابھرا عکس تمہارا

ٹھہر گئیں سب ناچتی موجیں
رک گئی وقت کی دھارا
پل بھر کو رگ رگ میں بھڑکا
جیسے کوئی انگارا

عکس تو آخر عکس ہی ٹھہرا
ابھرا بکھرا ڈوب گیا
بے لنگر کی کشتی جیسا
کیا جانے کس اور بہا
جیسے ساتھ تمہارا

پھر دُھی بنتی ٹوٹتی ہو جیسی
آگے پیچھے اندھیارا
لے گیا ساری جوت آنکھوں کی
پل دو پل کا نظارہ
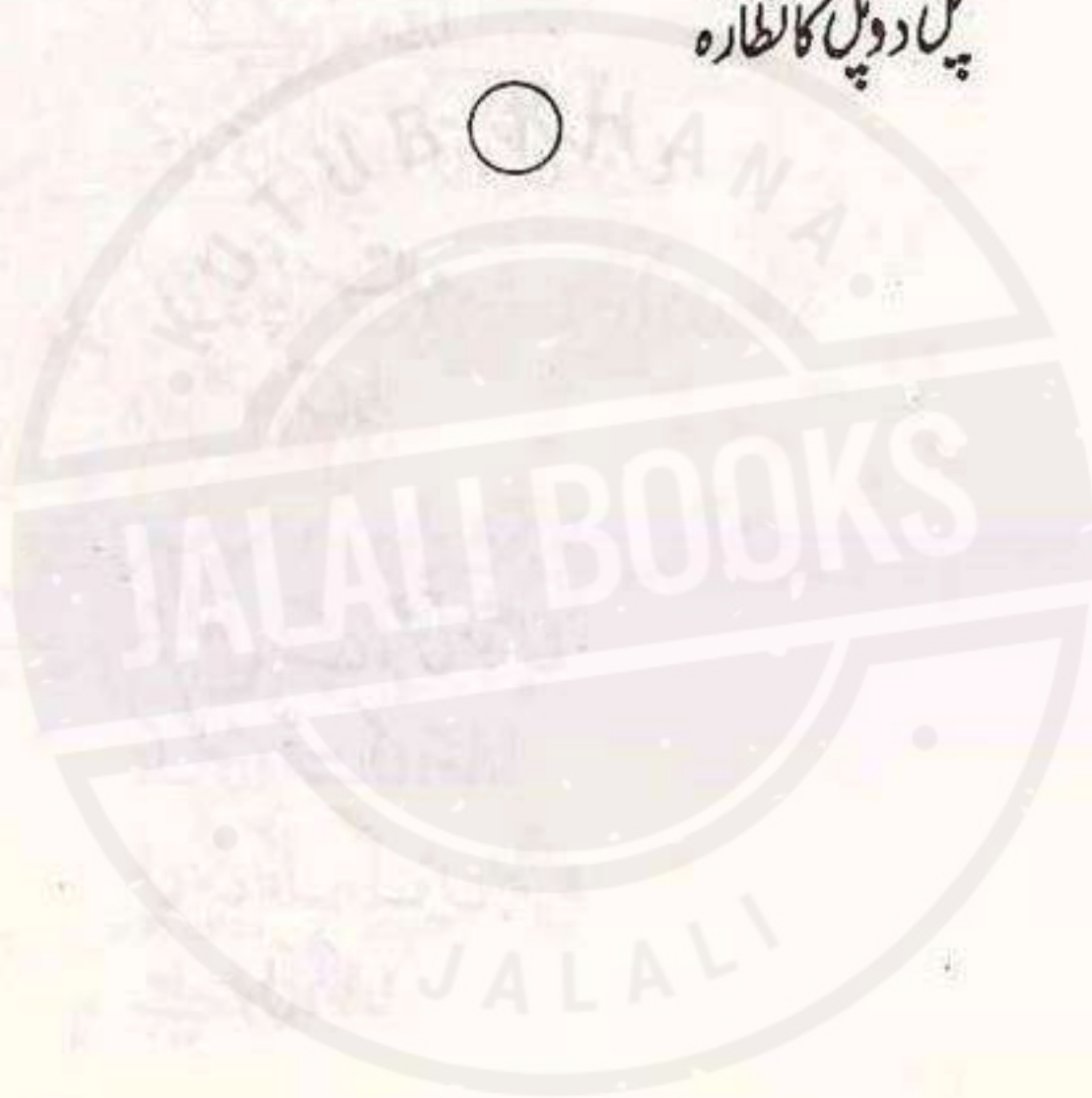
احساس

تجھے کب سوچتا ہوں میں
تجھے تو روح کی گہرائی سے محسوس کرتا ہوں
تجھے کب دیکھتا ہوں
میں تو بس اک نور
اپنے رنگ سے محروم آئینوں میں بھرتا ہوں
تجھے سنتا کہاں ہوں
میں تو امرت کی پھواروں میں نہا کر
درد کے ہر بوجھ سے آزاد ہوتا ہوں
تو وہ بلّور، جس سے ہو کے جب نظریں گذرتی ہیں
تو دنیا جیسے اپنے سب چھپے رنگوں کے سارے راز مجھ پر کھول دیتی ہے
میں تیرے واسطے کچھ ہی سہی لیکن
تو میرے جلتے صحرا پر برستا ابر پارہ ہے
مکمل زندگی کا استعارہ ہے

نظم

مری جاں
میں اتنا ہی بس چاہتا ہوں
کہ دکھ میری نظروں کا محسوس کر کے
کسی خواب کی یا کسی آرزو کی
سسکتی ہوئی تشنگی کو ہوا دو
لرزتی ہوئی شمع کی لو بڑھا دو
کہ میں اپنے سب زخم گن لوں
اگر یوں نہ ہو تو
دمکتا ہوا حرفِ اقرار کوئی
دہکتا ہوا پیار کوئی
مری سمت آتی ہوا میں اڑا دو
کہ میں عکس سارے
مہربان آنکھوں کے روشن ستارے
لب و گیسو و رخسار و ابرو تمہارے
نئے ڈھنگ سے پھر سجا کر نئے خواب بن لوں
کہ میں بن کہے بھی
تمہارے دھڑکتے ہوئے دل کی ہر بات سن لوں

اک سوچ

عجب دوراہے پہ زندگی ہے
ہے اس سرے پر کہ اس سرے پر
نہ جانے منزل کہاں مری ہے
کہیں نہ یوں ہو
خیالِ منزل ہو وہم میرا
ہر ایک رستے کے بعد اک اور راستہ ہو
نہ ہو کہیں بھی سکوں کا ڈیرا
دھواں دھواں منظروں کے پیچھے
کچھ اور منظر دھواں دھواں ہوں
نظر نظر کو فریب دیتے
سراب کی طرح کچھ نشاں ہوں
کہیں نہ یوں ہو
کرن کرن کچھ کہیں نہیں ہو
مری ہی بے تاب آرزوئیں
سیاہیوں میں چمک چمک کر
ہزاروں شکلوں میں ڈھل گئی ہوں
اور آپ میں اپنے ہی تعاقب میں رستے رستے بھٹک رہا ہوں
کہ جیسے کوئی اکیلا بچہ / رفاقتوں کو ترس ترس کے
لگا لے خود اپنے چار جانب ــــ خیالی ہمجولیوں کے میلے

اعتراف

مجھے اس کا غم نہیں ہے
مرے دِل کی دھڑکنوں کا
کوئی رازداں نہ نکِلا

مجھے اس کا غم نہیں ہے
کہ سخن تھے لاکھ لیکن
کوئی ہم زباں نہ نکِلا

مجھے غم جو ہے تو یہ ہے
مری زندگی کے موسم
کِسی درد کی زمیں پر
کبھی ابر بن نہ پائے
نہ کوئی روش بھگوئی
نہ کہیں چمن کھِلائے

مجھے غم جو ہے تو یہ ہے
کہ سکون دل کی خاطر
جو سہارے میں نے ڈھونڈے / وہ سبھی سراب نکِلے

مجھے غم جو ہے تو یہ ہے
کہ جو خواب میں نے دیکھے / وہ مرا عذاب نکِلے

سرحدِ نور سے اُدھر

اندھیروں میں بھٹکتی زندگی کو
کم سے کم، تم تو کوئی الزام مت دینا
تمھیں تو سب پتہ ہو گا
ستاروں کی طلب، ترسی ہوئی آنکھوں سے کیا کیا کھیل کرتی ہے
کئی چہرے، ابھر کر، ڈوب کر یا وہم بن کر
پیاس آنکھوں کی بڑھاتے ہیں
سرابوں میں گھرے انساں کو اک قطرہ بھی دریا ہے
مگر وہ بھی کہاں سے لائیں
کس کے در کو کھٹکائیں
مری تنہائیوں نے ہر قدم پر مجھ سے پوچھا ہے
اندھیرے میرے ہمدم
پیاس میری ہم سفر ہے
جانتا میں خود بھی ہوں ــــــ لیکن
تمہارے ٹوٹتے لہجے میں اپنا عکس دیکھا تو
بکھرتا آپ اپنے سے الجھتا شخص دیکھا تو
گماں گذرا

میری راہوں کا تعین جس سے ہونا ہے۔ یہی ہوگا
تمھیں بھی ہے خبر اس کی
پتہ اس کا مجھے بھی ہے
حصاروں میں گھرے رستے نہیں جاتے ہیں منزل تک
بھنور بندھ جائیں پیروں میں تو پہنچا کون ساحل تک
مگر اک آرزو
شاید تمہاری روح کی .... یا پھر مرے دل کی
نہیں .... شاید کوئی بے نام سا رشتہ
وہاں پہنچا گیا ہم کو
جہاں سے، نور کی، رنگوں کی اور خوشبو کی سرحد ہے
سنہری دھند کے دامن میں خوابوں کا ٹھکانہ ہے
مگر اک بار پھر سوچیں
قدم آگے بڑھانا ہے کہ ہم کو لوٹ جانا ہے

بیاباں کا ہمیں درمیاں

بہت باتیں ہوئیں لیکن
ابھی تک دل کی مٹی سے
کسی پہچان کی کونپل نہیں پھوٹی
خیال آتا ہے کوئی وہم تھا وہ بھی
افق کے دو سِروں کو جیسے پھولوں کے
کسی انجان پل نے جوڑ رکھا ہے
مہک کا سلسلہ پیغامبر ہے ان کہے قصے سناتا ہے
دھڑکتے دل
ستاروں اور کلیوں کی زباں میں بات کرتے ہیں
خیال آتا ہے لیکن جو خیال اب تک نہ آیا تھا
میں خود بھی رہگذر ہوں ٹوٹتے خوابوں کی
وہ بھی آپ اپنا کوئی سپنا ہے
کوئی مہکار کوئی پل
پرائے خواب سے خوابوں کو اپنے جوڑتا کب ہے
کبھی بہلاوے دو اک گام چل کر چھوڑ جاتے ہیں
امانت اپنے اپنے غم کی سینوں میں چھپا رکھیں
تبسم تو ہر اک دکان پر ملتا ہے لیکن غم وہ دولت ہے

جو صرف اپنوں سے ملتی ہے
تمھیں ہے جستجو خوشیوں کی
مجھ کو آرزو غم کی
یہ وہ بلور ہے جو ہر نئے پہلو سے منظر
اک نیا منظر دکھاتا ہے
شفق کی لالیاں اِس میں
شبوں کی تیرگی اِس میں
دھنک کے سات رنگوں میں
نہاتی آگہی اس میں
چلو ایسا بھی کر دیکھیں
تمہارے سارے غم میرے
مری خوشیاں اگر کچھ ہیں، تو وہ ساری تمہاری ہیں
مگر پھر دھیان آتا ہے
مری خوشیاں تمہارے واسطے غم
اور تمہارے غم مری خوشیوں میں ڈھل جائیں تو کیا ہوگا
ادھورا پن، ادھورے پن کی کب تکمیل کرنا ہے

منظر پس منظر

کیوں کہتے ہو دنیا ساری بنجر دھرتی جیسی ہے
ہر جذبے میں کوئی کمی ہے ہر شئے ایسی ویسی ہے
کیوں کہتے ہو بپھرے طوفاں سارے ساحل کاٹ چکے
ٹوٹے خواب، سسکتے ارماں دل کے سوتے پاٹ چکے
آنکھ سے آنسو پونچھ کے دیکھو منظر منظر روشن ہے
ہر پتہ ہے جیسے براتی ہر غنچہ اک دلہن ہے
نیلی جھیل میں بہتا سورج نازک نرم سنہرے تیر
پل میں روشن پل میں مدّھم جانی پہچانی تصویر
دانہ دانہ چنتی چڑیاں، اوس میں بھیگے جامن بیر
چھل بل کرتی ندی کنارے پیلے ترود سرخ کنیر
پربت پربت سجا سجا یا ہلکا ہلکا سا بادل
ہلکی ہلکی دھوپ میں جیسے کوئی سکھاتے نم آنچل
صف بگلوں کی ابریں جیسے
سانولے سونہک چہرے پر پیار بھری پاکیزہ نظر
دل میں زمیں کے رچتی بستی کونپل کونپل بڑھتی بیل
چڑھتے چاند سی زینہ زینہ دھیرے دھیرے چڑھتی بیل
سوچ کے پگ میں باندھ کے پائل بے فکری سے بہتی ہوا

سوتے سوتے ارمانوں کا شانہ چھو کے کبھی کبھار
یہی رتیں تو ہوتی ہیں کلیوں کے چٹکنے کھلنے کی
دھیمے دھیمے جھونکوں میں بے نام سی خوشبو بننے کی
یہی رتیں تو ہوتی ہیں خوابوں کی فصلیں بونے کی
دھندلی دھندلی انجانی راہوں میں خود کو کھونے کی

○

کفارہ

شب کی تاریکی، خوفناک سکوت
گلیاں خاموش، بام و در مبہوت
پیڑ چپ چاپ سر جھکائے ہوئے
شاخیں سہمی ہوئی ہیں دم روکے
وقت غمگیں، فضائیں نوحہ کناں
ہر طرف اک گھٹا گھٹا سا دھواں
ہر طرف سیلِ تیرگی ہے رواں
خیمۂ شب کا ہر چراغ خموش

یک بیک اک پرند آوارہ
اڑ کے گم ہو گیا خلاؤں میں

خامشی شب کی بڑھ گئی کچھ اور
ہر طرف ایک ہُو کا عالم ہے
سو گئی ہو... فضائیں بھی جیسے
تیرگی ایک دیو کی مانند
ہر نظر کو نگلتی جاتی ہے

آج دنیا میں کیا اُجالے کی
کوئی بھٹکی ہوئی کرن بھی نہیں

آس، امید، ولولے، ارماں
سرنگوں، دم بخود، خجل گریاں
ہر خوشی درد کا کفن پہنے
سوگئی ذہن کی گپھاؤں میں

سوچتا ہوں کہ زندگی مجھ سے
آج کیوں اس قدر گریزاں ہے

میں نے چاہا تھا ہنس کے جی لینا
کیا اسی جرم کی سزا ہے یہ !!!

○

وقت، زندگی اور میں

مری آرزو تھی
کہ زلفوں میں تیری کوئی پھول ٹانکوں
پتہ تھا مجھے تب بھی اب بھی پتہ ہے
کہ پھولوں کی عمریں بہت مختصر ہیں
پتہ ہے کہ پل ہو کہ دن یا زمانہ
سبھی کو بہر حال ہے بیت جانا
مگر ایک پل
وقت کا ایک ننھا سا ٹکڑا
دھڑکتے دلوں
قرب کی آگ میں بے صدا جلتے جسموں کی حدت میں تپ کر
.... وجود اپنا پاتا ہے
.... اک نام پاتا ہے
وہ نام جو پھول، شبنم دھنک ہے
مری آرزو تھی
بپھرتے ہوئے وقت ساگر سے ننھا سا قطرہ چرا کر
مہکتا ہوا پھول لمحہ اٹھا کر
تری رات زلفوں میں گوندھوں

مگر میری کمزور باہوں میں تشانہ
کسی ایک لمحے کو بھی تھام لینے کی طاقت نہیں ہے
مری سوکھتی لڑکھڑاتی زباں میں
کسی ایک پل کو بھی شبنم، دھنک، پھول کا نام دینے کی طاقت نہیں

وقت بہتا ہوا وقت
جس کا نہ چہرہ نہ کچھ نام ہے
اپنی مضبوط باہوں میں جکڑے بہائے لیے جا رہا ہے
یونہی بہتے بہتے میں تجھ سے بہت دور ہو جاؤں گا
دور بے سمت اندھیروں میں کھو جاؤں گا
نیند... گہری اتھاہ نیند سو جاؤں گا
زلف تیری رہے گی نہ سونی مگر
جب بھی اس میں دمکتا ہوا لمحہ ٹانکے کوئی
.... پھول گوندھے کوئی

یاد کرنا مجھے بھی
مری آرزو تھی
کہ زلفوں میں تیری کوئی لمحہ گوندھوں
.... اسے پھول کا نام دیدوں

○

منظر

ایک پھول
آسمان کی بلندیوں سے اک سنہرا پھول
سرد کالی جھیل میں
موج موج ڈوبتا ابھرتا دور تک پہنچ گیا
تنک کچھ اس قدر سبک
کہ دیر تک نہ ساحلوں نہ موج کو پتہ چلا
سنہرا لمس
دھیرے دھیرے لہر لہر ایسے جگمگا گیا
کہ سطح سے اتاہ تک ، سب ہی نور ہو گئے
ایک جگمگاتی دھند
نرم کچی دھوپ جیسی چارسو بکھر گئی
نہ ابتدا نہ انتہا
بس ایک جگمگاتی دھند
نرم کچی دھوپ سی
تمام میں گھلی ہوئی

○

مجھے جینا نہیں آتا

میں جیسے درد کا موسم
گھٹا بن کر جو بس جاتا ہے آنکھوں میں
دھنک کے رنگ خوشبو نذر کرنے کی تمنا لے کے جس منظر تلک جاؤں
اسے اشکوں کے گہرے کہر میں ڈوبا ہوا پاؤں
میں اپنے دل کا سونا
پیار کے موتی
ترستی آرزو کے پھول جس در پر سجاتا ہوں
وہاں جیسے مکیں ہوتا نہیں کوئی
بنا ہوں ایک مدت سے صدائے بازگشت ایسی
جو دیواروں سے ٹکرائے
ہراساں ہو کے لوٹ آئے
دھڑکتے دل کے سونے پن کو سونا اور کر جائے
میں اپنے آپ کو سنتا ہوں
اپنے آپ کو چھوتا ہوں
اپنے آپ سے ملتا ہوں خوابوں کے سہانے آئینہ گھر میں
تو میرا عکس مجھ پر مسکراتا ہے

یہ کہتا ہے

سلیقہ تجھ کو جینے کا نہ آنا تھا نہیں آیا
صدائیں پتھروں کی طرح مجھ پر
میرے خوابوں کے بکھرتے آئینہ گھر پر برستی ہیں
اِدھر تارا، اُدھر جگنو
کہیں اک پھول کی پتی، کہیں شبنم کا اک آنسو
بکھر جاتا ہے سب کچھ رُوح کے سنسان صحرا میں
میں پھر سے زندگی کرنے کے ارماں میں
اک اک ریزے کو چنتا ہوں، سجاتا ہوں، نئی مورت بناتا ہوں
دھنک کے رنگ، خوشبو نذر کرنے کی تمنا میں قدم آگے بڑھاتا ہوں
تو اک بے نام گہری دھند میں سب ڈوب جاتا ہے
کسی سے کچھ شکایت ہے نہ شکوہ ہے
کہ میں تو درد کا موسم ہوں
اپنے آپ میں پلتا ہوں، اپنے آپ میں جلتا ہوں
اپنے آنسوؤں میں بھیگتا ہوں مسکراتا ہوں
مگر سب لوگ کہتے ہیں
تجھے جینا نہیں آتا

○
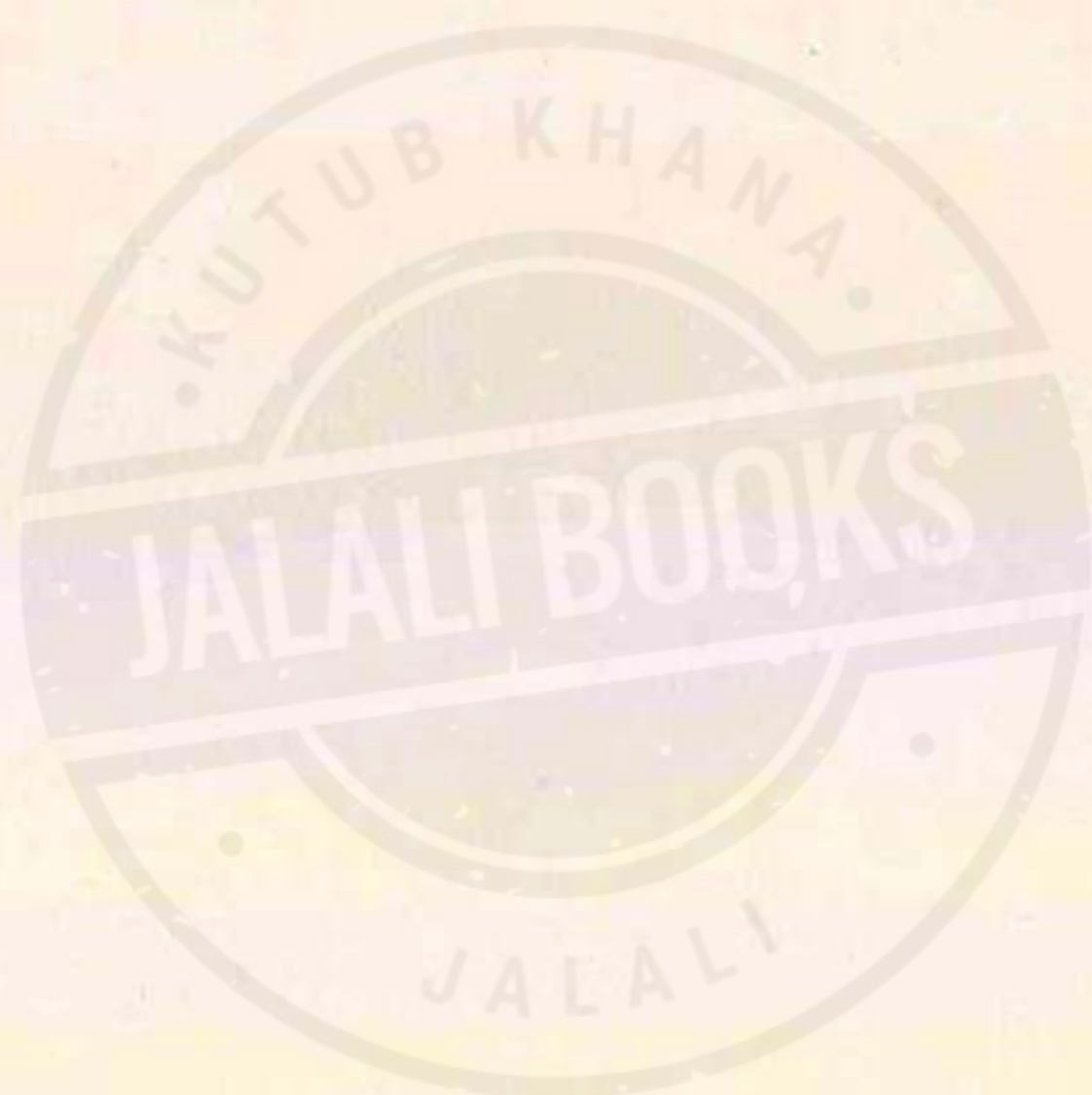
غنائیہ

منزل منزل

(ایک غنائیہ)

راوی : وقت

آواز ۱ : فکر کا منفی پہلو

آواز ۲ : فکر کا مثبت پہلو

زندگی

(پس منظر کردار اور صدائیں، آواز ۱ یا آواز ۲ کے نقطۂ نگاہ کو تقویت پہنچانے والی ہیں)

(موسیقی جس سے تیز گام کاروان کے گزرنے کا احساس ہو۔ راوی کی آواز بتدریج موسیقی پر حاوی ہوتی جاتی ہے)

راوی :-

لبوں پہ قوسِ قزح کا نکھار رقص کناں
جبیں سے نور جھلکتا ہے ماہتابوں کا
قدم سے لپٹی ہوئی عظمتیں ہمالہ کی
ہے سر پہ سایہ فگن سلسلہ سحابوں کا
گزر رہا ہے نئے موڑ سے نیا انساں
نظر نظر میں بسائے جہان خوابوں کا

آواز ۱ :- (خود کلامی کے انداز میں)

یہ خود فریبی و خوش فہمی کب تک آخر
خود اپنے آپ کو بہلاؤ گے یونہی کب تک

راوی:- (سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے)

رواں قدم کہ بدلتے ہوئے مقدر ہیں
عروج وہ کہ خلاؤں سے بھی گزر جائے
چلے تو راہ دکھائے شعور کی مشعل
رکے تو گردشِ دوراں ٹھہر ٹھہر جائے

آواز:- (واضح سوالیہ انداز میں)

یہ ارتقاء کے منازل ہیں یا تنزل کے
شکستہ خوابوں کے انبار ہیں جدھر دیکھیں
ترانے عظمتِ انساں کے چھیڑنے والے
حصارِ خواب سے نکلیں، ذرا اِدھر دیکھیں
یہ آگ، دھوپ، یہ سردی یہ سیل یہ طوفاں
یہ بِک رہی ہے سرِ عام عظمتِ انساں
یہ بھوک، پیاس..........

آواز ۲:- (گمبھیر سوچتے ہوئے لہجے میں)

خیال مجھکو بھی آتا ہے، سوچتا ہوں مگر
یہاں تک آ تو گئے ہم یہاں پہنچ تو گئے

آواز:- (خود کلامی)

وہ جنگلوں کا سماں..........
وہ جنگلوں کا سماں کس قدر سہانا تھا

عجیب دَور تھا، وہ بھی عجب زمانہ تھا
نہ فکرِ وغم کے یہ شعلے نہ زرگری کی یہ جنگ
ہوا کی طرح سے آزاد روح و دِل کی امنگ

آواز ۲:- (طنزیہ)

تم نے کہیں کتابوں میں افسانے پڑھ لیے
انسان فکر و درد سے آزاد کب رہا
گر اپنی آرزوؤں کا مارا ہُوا ہے اب!
تو پہلے وحشیوں کا شِکار غضب رہا

راوی:-

پہاڑوں، بحر و بیاباں سے بے خطر گذرا
زمین کے سینے کو کھلیان میں بدل ڈالا
یہ آدمی، کہ جھلستے ہوئے بیاباں کے
گلے میں ڈال دی شاداب فصل کی مالا

(اس دوران آہستہ آہستہ کورس گیت کی آواز یوں ابھرتی ہے جیسے ماضی کے دیاروں سے آرہی ہو)

ہیا ہو ..... ہیا ہو ہیا
دھرتی کھول کے سینہ اپنا اگلے مال خزانے
تاروں جیسے جگمگ کرتے اجلے پیلے دانے
بھر لے دامن بھیا ..... ہیا

کتنی صدیاں گھومے بھٹکے اس منزل پر آئے

آگے ہی آگے بڑھنا پیچھے قدم نہ ہٹنے پائے

گھومے یوں ہی پہیہ ..... ہیا

آواز ۱:- (طنزیہ)

حسین کھیت بھی اپنے جوان فصلیں بھی

رتوں کے رحم و کرم پر مدارِ زیست مگر

آواز ۲:-

یہ نہ بھولو شعور نے ..... اپنے

ہر مصیبت کو ہنس کے ٹالا ہے

ہر اندھیرے کے سرد سینے سے

کچھ نہ کچھ نور ہی نکالا ہے

آواز ۱:- (مذاق اڑانے کے انداز میں)

واہ کیا خوب یوں ہی کہتے رہو

(ہنستا ہے)۔

اپنے علم و شعور کے تحفے

ٹینک، بمبار ...

(پس منظر میں توپوں، جہازوں وغیرہ کی آوازیں)

سنگ اور آہن سے

سینکڑوں بھٹیاں بنالیں اور

بھسم کتنے سہاگ کر ڈالے
اپنے علم و شعور کے تحفے

(قہقہہ)

آواز ۲:-

واہ تقریر تو کر لیتے ہو اچھی خاصی
بس کمی ہے تو یہی عقل ذرا سی کم ہے

آواز ۱:- (چڑ کر)

مسخرہ پن نہ کرو... خود ہی پریشان ہوں میں

آواز ۲: (ہنستے ہوئے)

ارے اس درجہ بگڑتے کیوں ہو
ساری دنیا سے خفا....
خود سے خفا... ان سے خفا
یہ بھی کچھ بات ہوئی !

آواز ۱:- (زچ ہو کر)

بخش دو مجھ کو نہ اس وقت ستاؤ.. جاؤ
الجھنیں ویسے بھی کیا کم ہیں کہ بقراط بنے
لوگ آجاتے ہیں لیکچر پلانے کیلئے.. جاؤ
للہ چلے جاؤ . . . . . جاؤ

آواز ۲:

شاید اوسان کھو چکے ہو تم
عقل کو اپنا ہم سفر رکھو
پیچ و خم راہ میں ہزار سہی
منزلوں پر بھی تو نظر رکھو

آواز ۱:- (تلخی سے)

منزلیں؟ منزلیں کہاں ہیں اب
راستوں کے نشان تک نہ رہے
بات کیجے یقین کی... کیسے
پاس اپنے گمان تک نہ رہے
زندگی خود ہی بن گئی نوحہ
سن سکو تو یہ داستاں بھی سنو

(نسوانی آواز میں ایک گیت ابھرتا ہے)

آنکھوں کی لو دلوں کی ضیا لے گئی ہوا
چہروں سے اب کے رنگِ وفا لے گئی ہوا
بے سمت منزلوں کا سفر درمیان ہے
رستوں کے سب نشان اڑا لے گئی ہوا
اب خاک بھی نہیں ہے سمندر کی گود میں
کاغذ کی کشتیاں تھیں بہا لے گئی ہوا!

آواز ۲:-

بہتی دھارا میں تو طوفاں بھی بھنور بھی ہوں گے
کون اس ڈر سے مگر ترکِ سفر کرتا ہے

آواز ۱:-

بہتی دھارا کا ٹھکانہ ہے نہ منزل کوئی
کس توقع پہ سفر کوئی کرے، کیسے کرے

آواز ۲:-

زندگانی ہے سفر اور سفر ہے حاصل
زندگانی کو اسیرِ حدِ منزل نہ کرو
راستے دیتے ہیں سوغاتیں تحفے کیا کیا
لطفِ نظارہ سے دامانِ نظر کو بھر لو
قید ہو جائے جو خوشبو تو وہ خوشبو کیا ہے
رم سے گھبرائے جو آہو تو وہ آہو کیا ہے

آواز ۱:- (جھنجھلاہٹ میں آواز بتدریج بلند ہونے لگتی ہے)

دوڑیے سمت بیابانوں میں کب تک آخر
کب تک آخر یہ سرابوں کا تعاقب کیجے
چھینٹے جلتے حقائق سے ہٹا کر نظریں!
چند بے نام سے خوابوں کا تعاقب کیجے

(خود کلامی کے انداز میں)

ہم خود اپنے ہی کو دیتے رہے دھوکے کیا کیا

زخم کو پھول کہا اشک کو موتی مانا
اپنے ہاتھوں سے بُنے جال خود اپنے ہی لیے
اور انھیں پیار، وفا، مہر و مروّت جانا

خود اپنا مذاق اڑانے کے انداز میں

ہار کو ہار سمجھنے کی تہمت نہ ہوئی
خود کو بہلانے کے کیا کیا نہ بہانے ڈھونڈے
خون روتی ہوئی سچائی چھپانے کے لیے
خوشنما لفظوں کے بے معنی فسانے ڈھونڈے

ہم ہیں مجرم، ہمیں توفیقِ صداقت کیا ہو
ہم نشہ جھوٹ کا ذہنوں کو پلا دیتے ہیں
ہر تجسس کو سُلا دیتے ہیں لوری دیکر
آنکھ کھل جائے تو اک خواب دکھا دیتے ہیں

آواز ۲

تم سمجھتے ہو کہ خواب اور حقیقت ہے جُدا
آج کے خواب کل اک زندہ حقیقت ہوں گے

آواز ۲:۔ (جھنجھلا کر)

خواب دھوکہ ہیں فقط ایک مسلسل دھوکہ
ذہنِ عیار و پر اسرار سا جادوگر ہے

خواب دکھلاتا ہے، تعبیر چھپا دیتا ہے
عمر بھر خاک اڑانے کی سزا دیتا ہے
خواب رنگیں ہیں مگر خون سے ارمانوں کے
گونجتی ہے یہ فضا، نوحوں سے انسانوں کے

(غمگین موسیقی، قصہ گو کی آواز موسیقی پر سپرامپوز ہوتی ہے)

داستان گو

ایک مدت سے خوابوں کی آبادیاں
راستوں پر جلاتے ہزاروں دیے
دے رہی تھیں صدائیں بڑی دیر سے

(الف خواب کی پراسرار جھلمل کا تاثر۔ آہستہ آہستہ پُراسرار لیکن دلکش نسوانی آواز ابھرتی ہے)

نسوانی آواز

کوئی صاحب نظر، اہلِ دل، منچلا
اس طرف سے بھی گزرے ادھر بھی بڑھے
اس کے قدموں میں ہم اپنی رعنائیاں
اپنی کل کائنات اپنی برنائیاں
مسکراتے ہوئے ناز سے ڈال دیں
دامنِ دل مسرت سے اس کا بھریں
کوئی صاحب نظر... اہلِ دل... منچلا

(آواز ڈوبتی جاتی ہے۔)

داستان گو

اور پھر

اور پھر ایک صاحب نظر منچلا!

خواب کی بستیوں کی طرف چل پڑا

(چونکا دینے والی موسیقی)

اور پھر

اور پھر سننے والوں نے نوحہ سنا

(نوحے کی دھن میں ایک مردانہ آواز ابھرتی ہے)

آواز :-

یاں نہ منزل ہے کوئی نہ اس کے نشاں

ہم سفر ہیں نہ خوابوں کی آبادیاں!

آنکھ کھولوں تو چاروں طرف ہے دھواں

زیرِ پا جنگلوں کے سوا کچھ نہیں

زادِ راہ آبلوں کے سوا کچھ نہیں

خواب منزل کے اشکوں میں سب بہہ گئے

راہرو لٹ گیا، راستے رہ گئے

(آواز ڈوبنے لگتی ہے۔ کئی تار جھنجھنا کر ایک ساتھ ٹوٹ جاتے ہیں)

(وقفہ)

آواز ۲: (جیسے کوئی اپنے حواس اور ہمت جمع کر کے خود کو ڈھارس دے رہا ہو

وہ پہلا شخص
جس نے سب سے پہلا خواب دیکھا تھا
ابھی تک مجھ میں زندہ ہے
مری میراث ہے.. وہ جانیوالا میرا ورثہ ہے

(وقفہ)

(پورے اعتماد کے ساتھ)
یہ ہے راہِ منزلِ زندگی نہ ہوئی نہ ہوگی کبھی تہی
مٹا ایک نقشِ قدم کبھی تو ہزار نقش ابھر گئے

آواز ۱:-
اب بھی نادم نہ ہوئے تم یہ تماشا کیا ہے
ہو گیا اتنا بہت اور ابھی ہونا کیا ہے

آواز ۲:-
راہرو آتے ہیں اور آگے چلے جاتے ہیں
راستہ پھر بھی رواں رہتا ہے دریا کی طرح
زندگی ایک ہی پیکر میں نہیں ہے محدود
ان گنت رنگ ہیں اس کے بھی تمنا کی طرح
میں ہوں تم ہو کہ کئی اور ہوں ہم تم جیسے
ایک مظہر ہیں فقط ایک جھلک ہیں اسکی
جس دمکتی ہوئی سچائی سے روشن ہے حیات

ہم تو کچھ بھی نہیں ہلکی سی دمک ہیں اسکی
صرف اپنے ہی کو سمجھو نہ مکمل عالم
ہم تو اک لفظ ہیں، بے انت فسانہ ہے حیات
گونجتا ہے جو افق تا بہ افق آج تک
روزِ اول کا وہ رنگین ترانہ ہے حیات

آواز ۱:- ہم نہ تھے جب تو ہمیں کیا تھا جہاں سے مطلب
ہم نہ ہوں گے تو ہمیں دہر سے لینا کیا ہے

آواز ۲:-

ہم رہیں یا نہ رہیں، وقت رہے گا باقی
وقت کو خوابوں سے رنگین بناتے جائیں
خواہ انجام ہو کچھ، آتی رتوں کے ہاتھوں
مشعلوں کی طرح کچھ خواب تھماتے جائیں

(پس منظر سے نسوانی آواز ابھرتی ہے)

نسوانی آواز :-

ریت میں پھول تصور کے کھلانے والے
ہم نے دیکھے ہیں بہت خواب دکھانے والے
ہر طرف تیز ہواؤں کی حکومت ہے یہاں!
ہیں کس امید پہ یہ شمع جلانے والے
زہر امرت نہ بنے گا نہ بنا ہے اب تک

سینکڑوں آئے گئے آس دلانے والے

آواز ۲:-

زہر امرت نہ بنا پھر بھی ہیں زندہ ہم تم
خواب دھوکہ ہیں مگر ان ہی کا دامن تھامے
آپ شاخوں سے گھاؤں یہاں تک پہنچے

(موسیقی جہاز جدید مشینوں کی آواز)

آواز ۲:-

کل فضاؤں کی یہ پرواز بھی اک خواب ہی تھی
کل سفر کرتی یہ آواز بھی اک خواب ہی تھی
کل تو مہتاب بھی اک خواب تھا دیوانے کا
کل تو یہ زندہ تگ و تاز بھی اک خواب ہی تھی

(وقفہ)

کل تلک تم بھی تو اک خواب تھے ان آنکھوں کا
جن کی شفقت کی گھنی چھاؤں میں پروان چڑھے
پیار کو، مہر و مروت کو، وفا کو اب تم
جال کہتے ہو مگر ان کے طلب گار بھی ہو

آواز ۱:-

ذکر خوابوں کا، مسلسل ....

آواز ۲:-

کل تلک خواب تھے تم خواب تھائیں خواب تھے سب
خواب ہوتے نہ اگر ہوتا نہ جینے کا سبب

آواز ۱:-

تو کیا اب زندگی زخموں کی کہانی نہ رہی

آواز ۲:-

زندگی پھول بھی ہے زخم سمجھتے کیوں ہو

آواز ۱:-

زندگی درد .....

آواز ۲:-

نہیں چاندنی، ہلکی، ٹھنڈی

(دور سے موسیقی کی آواز ابھرتی ہے۔ ایسا تاثر دیا جائے جیسے زندگی خود آہستہ آہستہ قریب آرہی ہو۔)

زندگی:-

(گونجتی ہوئی دلکش آواز چاروں طرف سے آتی ہے۔)

زندگی میں ہوں، کہاں پاؤ گے تم راز مرا
دھوپ ہے میری ادا، چاندنی انداز مرا
آگ بھی آب بھی ہیں پھول بھی شبنم بھی ہیں
گلفشاں لب بھی ہوں ہیں گیسوئے برہم بھی ہیں
کیوں پریشان ہو تم، مجھ کو نہ سمجھو گے ابھی
یوں ہی بے معنی سوالات میں الجھو گے ابھی

یوں ہی چلتے رہو، میں راہ دکھاتی جاؤں
ایک اک کرکے نقاب اپنے ہٹاتی جاؤں
جلوے جتنے بھی ملیں جسکو وہ حصہ اس کا
اک کڑی میرے فسانے کی ہے قصہ اس کا
ان گنت رنگ مرے، میرے ہزاروں بہروپ
ان گنت رنگ مرے ....

○

ھائیکو
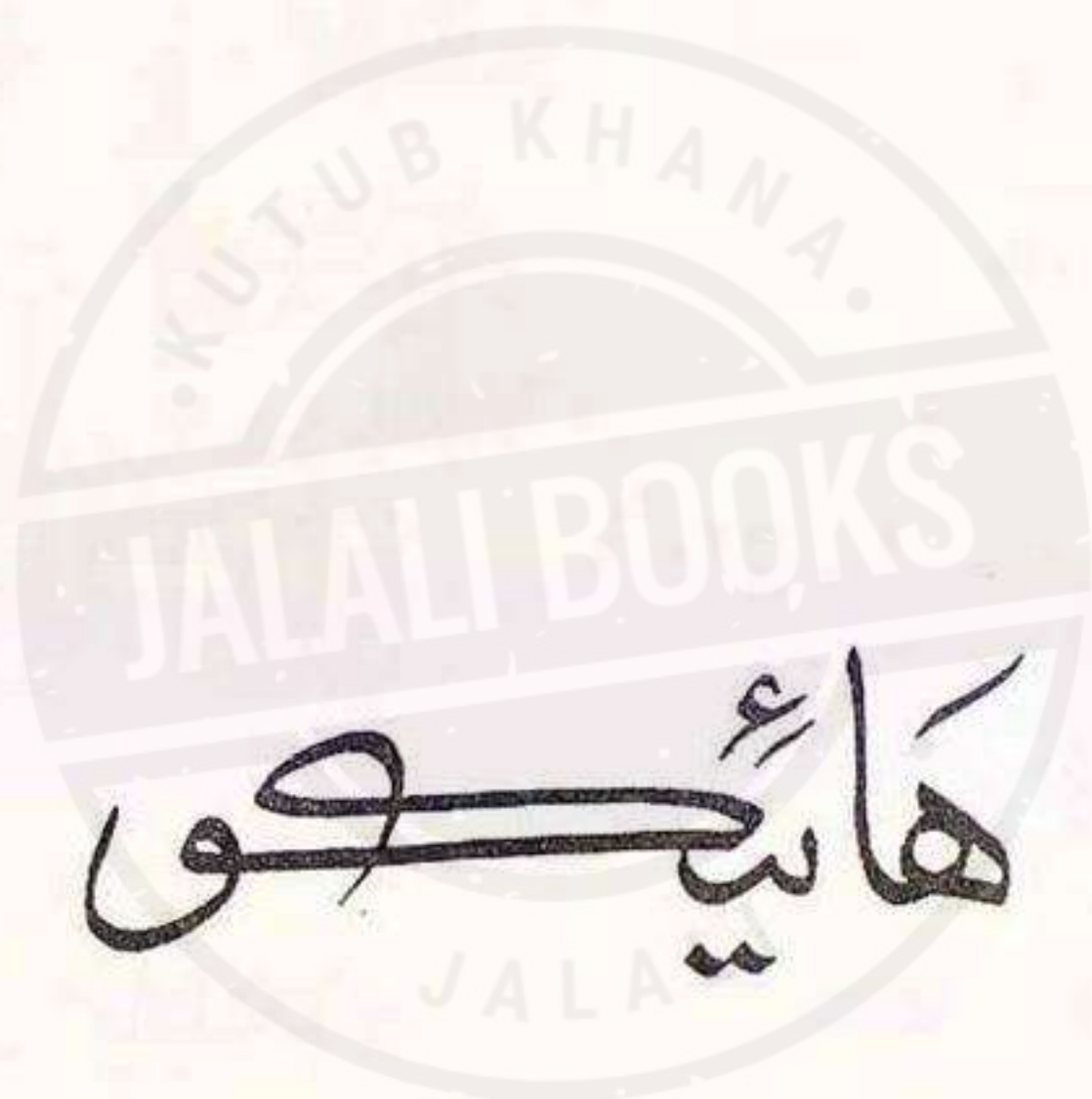
پھولوں کا موسم
لہرایا ہے فطرت نے
رنگوں کا پرچم

ڈر اِس دِن سے ڈر
جس دِن حق میں پھولوں کے
شبنم ہو پتھر

پت جھڑ کا موسم
سوکھے اُڑتے پتّوں کا
ہوا کرے ماتم

اپنا اپنا اصول
جتنا تپتا موسم ہو
پھولے اُتنا ببول

کیسا اپنا پن
تیز چلے جب آندھی تو
ٹوٹے ہر بندھن

سوکھے جھرنے تال
اوڑھ کے اپنی خوشبو کو
جھومے کنیر کی ڈال

ٹوٹا پھر تارا
دھرتی پر آکاش نے بھیجا
اپنا ہرکارا

کیسا فن کا مان
کوّا راگ سنائے تو
کویل بھولے تان

برسے پھر آنسو
دل کی زمیں سے پھر اٹھی
سپنوں کی خوشبو

برہا کا درپن
بھیگا بھیگا شبنم سے
سبزے کا دامن

سونے گھر میں شام
گرد بھری دیواروں پر
لکھوں تیرا نام

کبھی اکیلے میں
یوں لگتا ہے بیٹھے ہوں
جیسے میلے میں

کیا اُن کی ہستی
اونچی نیچی لہروں میں
کشتی کاغذ کی

اُڑی اُڑی خوشبو
کھول کے بکسے یادوں کے
بیٹھی ہو گی تُو

جھوٹی موٹی کہانی
بھیس بدل کر زندہ ہے
پھولوں میں پانی

سرمایہ دِل کا
نرم مُلائم اُلجھا اُلجھا
لہجہ ریشم سا

قبروں پر کتبے
کتبوں پر کچھ نام لکھے
کیا جانے کس کے

گِرے نہ پھر نکلی
دِل کے پھول پہ آ بیٹھی
یادوں کی تتلی

○

آزاد - ھائیکو

سبزے کی پتّی
موسم کا اُپہار
جیسے پہلا پیار

راستے
راہرو کے ہم سفر
پھر بھی اس سے بے خبر

نیل گگن میں چاند
دل میں یاد تمہاری
رات لگے ہے بھاری

پیار کا مہورت ہے
مژدہ ہو پرندے کو
جال خوبصورت ہے

آسماں
دور تک دھواں دھواں
نور نور اک مکاں

خاک میں خزانے ہیں
جستجو خلا میں ہے
لوگ بھی دِوانے ہیں

چاند بادلوں میں بھی
جگمگائے جاتا ہے
روشنی نہیں مرتی

مزار در قطار
پوچھتا ہے آسمان
نام اور نشاں

پگھلا پگھلا چاند
بجھے بجھے سے تارے
رگ رگ میں انگارے

○

غزلیں

خواب اپنے ہوئے دنیا کے حوالے کتنے
کھو گئے ان ہی اندھیروں میں اجالے کتنے

کیا پتہ کیا ہے ادھر پھر بھی نظر نے اپنی
رنگ دیوار کے اس پار اچھالے کتنے

مرنا پڑتا ہے کئی ڈھنگ سے جینے کے لیے
اس صداقت کو مگر ماننے والے کتنے !

آج تقسیم ہے شعلوں کی یہاں مے کے عوض
دیکھنا یہ ہے چٹختے ہیں پیالے کتنے !

اُلجھنیں، آرزوئیں، کرب، خوشی، بے چینی
زندگی بوجھ سنبھالے تو سنبھالے کتنے

ریختہ آج سُنائیں تو سُنائیں کس کو!
میر و مرزاؔ کی زباں جاننے والے کتنے

دُھوپ پی پی کے جُھلس جائے زمیں تب دیکھیں
ہیں گھٹاؤں کے بھی انداز نرالے کتنے

خواب اپنے ہوئے دنیا کے حوالے کتنے
کھو گئے ان ہی اندھیروں میں اجالے کتنے

کیا پتہ کیا ہے ادھر پھر بھی نظر نے اپنی
رنگ دیوار کے اس پار اچھالے کتنے

مرنا پڑتا ہے کئی ڈھنگ سے جینے کے لیے
اس صداقت کو مگر ماننے والے کتنے!

آج تقسیم ہے شعلوں کی یہاں مے کے عوض
دیکھنا یہ ہے چٹختے ہیں پیالے کتنے!

○

دروازے سارے وا کیے جانے کس آس پر تھے ہم!
آتا کوئی تو کیوں یہاں، ویراں، شکستہ گھر تھے، ہم

قافلے والے چل دیے چھوڑ کے چند نقشِ پا!
دیکھا نہ مڑ کے پھر کبھی جیسے کہ رہ گزر تھے ہم!

چھوٹنے والے رنگ سے خواب رنگے تو کیوں رنگے
تھوڑی سی دیر کے لیے کاہے کو ہم سفر تھے ہم!

موجیں، ہوائیں، بادباں یوں تو سبھی تھے مہرباں
اپنے سفینے کے لیے آپ ہی خود بھنور تھے ہم

بچھڑے ہیں اب تو کیا گلہ، ہونا ہی تھا ہمیں جدا!
ابرِ گریز پا تھے تم، بھٹکی ہوئی نظر تھے ہم!

آئینہ گھر میں وقت کے دوسرا اور کون تھا
آپ ہی داد خواہ تھے آپ ہی داد گر تھے ہم

نظریں ٹھہر ٹھہر گئیں رنگِ لباس دیکھ کر!
کس کو پتہ چلا مگر اپنے ہی خوں میں تر تھے ہم

○

تیز ہو دُھوپ تو کچھ اور نکھر آئیں گے
ہم کوئی پھول نہیں ہیں کہ جو مُرجھائیں گے

نیند رُوٹھے ہوئے لوگوں کو منا لائی ہے
آنکھ کھولوں گا تو یہ پھر سے بچھڑ جائیں گے

دے نِشانی کوئی ایسی کہ سدا یاد رہے
زخم کی بات ہی کیا زخم تو بھر جائیں گے

کبھی ٹُوٹے ہیں نہ ٹوٹیں گے دِلوں کے رشتے
تُو نہ ہوگا تو ترے درد کو اپنائیں گے

اپنے الفاظ کو سینے میں سمیٹے رکھو
ورنہ یہ بھیڑ کی آوازیں کھو جائیں گے

اِنھیں راہوں سے بشر اپنا گذر پھر ہوگا
پھر کوئی خواب نگاہوں میں بسا لائیں گے

○

تمہارے میرے درمیان فاصلے بلا کے ہیں
جو ہوں تو کیسے طے ہوں سارے مرحلے خلا کے ہیں

نہ عکس روح و دل کہیں نہ کوئی رنگِ آرزو
کہ پتھروں کی آج آج آئینے صدا کے ہیں

تھکی تھکی زمیں پر اداسیوں کے سائباں
یہ کیسی بستیاں ہیں یہ کرشمے کس خدا کے ہیں

دلوں کے آس پاس پھر بھڑک رہی ہے آگ سی
کرو دعا قرینے سب کسی نئی بلا کے ہیں

پکے پھلوں کو توڑنے کی رت گذر گئی مگر
نشان ڈالیوں پہ اب بھی دشتِ آشنا کے ہیں

○

مفہومِ غمِ حیات ہوں میں
ہر روح کی واردات ہوں میں

کیا مجھ کو سمیٹ پائے کوئی
بکھری ہوئی کائنات ہوں میں

صدیوں سے بیاں ہو رہا ہوں
پھر بھی تو ادھوری بات ہوں میں

دریا ہوں ازل سے بہہ رہا ہوں
ہر لمحے کے ساتھ ساتھ ہوں میں

دیکھوں تو روا چھوؤں تو مجرم
مُدّت سے لبِ فرات ہوں میں

کاندھے پہ صلیبِ عمر اٹھائے
جویائے رہِ نجات ہوں میں!

○

پھل ہے نہ کوئی پھول ہے کانٹے بلا کے ہیں
پیڑ اپنے راستوں میں کِسی بددُعا کے ہیں

گھیرے ہوئے نظر کو سرابوں کے دائرے
بکھرے ہوئے خیال میں پیکر صدا کے ہیں

خود اپنے قتل کی ہے تماشائی روشنی
سورج کی شاہ راہ پہ پہرے گھٹا کے ہیں

سائے یہ کچھ عجیب سے ہمراہ روز و شب
ناآشنا کے ہیں نہ کسی آشنا کے ہیں

سُوکھی رگوں کی طرح یہ راہوں کے سِلسلے
زخموں کی طرح عکس کسی نقشِ پا کے ہیں

کِس کے لہُو کا رنگ ہے کانٹوں کی نوک پر
جلتے ہُوئے چراغ یہ کِس کی وَفا کے ہیں

آتے ہیں غول غول سلگتے ہوئے خیال
ہم ہی اسیر لذتِ طبعِ رسا کے ہیں

○

اپنے سر باد مخالف کا بھی احساں کیوں لے
ہر چراغ آرزو خود ہی بجھا لیتا ہوں میں

یہ اہتمام چراغاں بجا سہی لیکن
سحر تو ہو نہیں سکتی دیے جلانے سے

○

خوش سلیقہ ہیں مکیں کون سا سامان نہیں
گھر میں سب کچھ ہے مگر یہ کہ قلمدان نہیں

قہقہے، اونچی صدا، بحث، لطیفے، پھکڑ
کھوکھلے پن کی کوئی ایک ہی پہچان نہیں

آتی جاتی ہوئی موجوں کو بھلا کیوں روکے
وقت مہماں ہے کسی قصر کا دربان نہیں

عکس آنکھوں میں بھی آئینوں کی مانند اترے
آشنا کوئی نہیں کوئی بھی انجان نہیں

ہے سفر سب کا اندھیروں سے اندھیروں کی طرف
روشنی ہو کہ نہ ہو راستے سنسان نہیں

جیسے تیزاب کے دریا میں نہانے اتریں
زندگی کرنا مرے دور میں آساں نہیں

دائرہ توڑ کے جائے بھی تو جائے گا کہاں!
ورنہ یہ بات نہیں ہے وہ پریشان...... نہیں!

شام کے ساتھ ہی بن جاتے ہیں مہماں دل کے
ایسے غم جن سے کبھی کی کوئی پہچان..... نہیں

ہو جو ممکن تو کسی غم کو مجسم کر دیں
شعر احساس ہے الفاظ کی گردان نہیں

○

منظر ہو کوئی کب وہ ٹھہرنے کے لئے تھا
جو پل بھی یہاں تھا وہ گذرنے کے لئے تھا

تنہائی میں آنکھوں کی گھٹا ٹوٹ کے برسی
تم تھے تو ہر اک درد بکھرنے کے لئے تھا

چبھو کے یاد کے نشتر اُداس کر دے گا
یہ ہنستا بولتا منظر اُداس کر دے گا

اک عمر جس کی ملاقات کے لیے ترسے
کسے خبر تھی وہ مِل کر اُداس کر دے گا

دلا کے یاد کئی بھولے بسرے افسانے
کسی گلی کا کوئی گھر اُداس کر دے گا

تھما کے عمر کے ہاتھوں میں چند ٹوٹے خواب
گزرتے لمحوں کا لشکر اُداس کر دے گا

کسی کے قرب سے روشن یہ لمحہ شاداب
اکیلا دیکھ کے اکثر اداس کرے گا

جسے بھلانے کی خاطر یہاں تک آ پہنچے
اسی کے نام کا ساغر اداس کرے گا

کوئی سی موج، کہیں بھی بہا کے لے جائے
رکا رکا یہ سمندر اداس کرے گا

کہاں تلاش کروں میں اسے کہاں ڈھونڈوں
وہ ماہ و سال کے جنگل میں کھو گیا ہو گا!!

تھا وہ عالم نگہِ حسن کی تہہ داری کا
کہ پتہ بھی نہ چلا اپنی گرفتاری کا

دور تک تیرگیٔ روح میں خوشبوئے حِنا
دیر تک ساتھ رہا لمحہ وہ سرشاری کا

جیسے چپکے سے کوئی راہ میں شمعیں رکھ دے
چھو گیا دل کو سلیقہ تیری دلداری کا!

ہم نے ہر رنگ میں ہر حال میں دیکھا ہے تجھے
راز لیکن نہ کھلا تیری طرحداری کا

چاندنی بانٹتی نظروں نے سنبھالا ورنہ
دل تو مجرم تھا اندھیروں کی طرفداری کا

دن ڈھلے دُور چمکتا ہوا تنہا تارا
اک اِشارہ ہے تیرے درد کی بیداری کا

اداس آنکھوں میں جانے کتنے سوال دیکھے
مری نگاہوں نے کیسے کیسے وبال دیکھے

کوئی تو ہو جس پہ آئینے کا گمان گذرے
کوئی تو ہو جس میں دل بھی اپنی مثال دیکھے

ہر ایک موسم لہو میں جھنکار بن کے گونجا
ہر ایک منظر میں ایک ہی خد و خال دیکھے

اندھیرے پگھلے نہ آرزو کے شہاب دمکے
فضا میں کتنے لہو کے شعلے اچھال دیکھے

عجب سفر تھا کہ منزلوں پر تو پہنچے لیکن
قدم قدم اپنے خواب سب پائمال دیکھے

جو پھول جیسے شگفتہ قصے سنا رہی تھیں
انھیں نگاہوں میں کتنے رنگِ ملال دیکھے

کہیں نہ پائی بشر یہ دھیمی سی آنچ ہم نے
نئی غزل کے تمام دفتر..... کھنگال دیکھے

بکھرتی ٹوٹتی ہر ایک شے سنوارتا پھروں!
کہاں کہاں یہ آگہی کا بوجھ اُتارتا پھروں

یہیں کہیں وہ موڑ تھا جہاں میں خود سے چھُٹ گیا
گلی گلی اب اپنے آپ کو پُکارتا پھروں

وہ پھُول جیسے لوگ جو خزاں کا رزق بن گئے
میں لفظ لفظ اب اُنھیں کی شکل اُبھارتا پھروں

جبینِ گرد باد پر لکھوں سفر کی داستاں
میں دشت دشت اپنی منزلوں کو ہارتا پھروں

کبھی یُوں ہی اُلجھ پڑوں، کبھی لگاؤں قہقہے
بچھڑ کے تجھ سے وقت میں یُونہی گذارتا پھروں

جو گردِ ماہ و سال میں کبھی کے کھو کے رہ گئے
لہُو سے اپنے اب وُہی نقُوش اُبھارتا پھروں

میں ریزہ ریزہ کانچ پر برہنہ پا رواں دواں
نئی رُتوں کے واسطے نشاں اُبھارتا پھروں

شریکِ معرکۂ حق سبھی نہیں ہوتے
مرے بھی ساتھ تھیں احباب کی صفیں کتنی

فرضی سمندروں کی شناور بنی رہی
دنیا کس احتیاط سے بے ڈر بنی رہی

بنتے رہے بگڑتے رہے بت خلاؤں میں
سوچ اپنی جیسے تیشۂ آذر بنی رہی

طے ہو سکا نہ خود سے تعارف کا مرحلہ
چھوٹی سی ایک موج سمندر بنی رہی

اک ناتمام گیت سناتی ہوئی نگاہ
ساون کی رُت میں دُور کا منظر بنی رہی

لمحہ بہ لمحہ کٹتی رہی زندگی کی ڈور
سانس اپنی اپنے واسطے خنجر بنی رہی

پتھر کا مری سمت تو آنا ضرور تھا
میں ہی گناہگاروں میں اک بے قصور تھا

شبنم پہن کے نکلے تھے شعلوں کے قافلے
دیکھے تہہِ لباس یہ کس کو شعور تھا

سچائی آگ ٹھہری تو لب سِل کے رہ گئے
حق گوئی پر ہمیں بھی کبھی کیا غرور تھا

بیٹھا ہوا تھا کوئی سرِ راہِ آرزو!
اک عمر کی تھکن سے بدن چور چور تھا

ٹھہرا ہوا ہے اب بھی وہ منظر نگاہ میں
اک نیم وا دریچہ تھا سیلابِ نور تھا!

دیکھا قریب سے تو وہ موجِ سراب تھی
چرچا جس آبجو کا بشہر دور دور تھا

○

○

اپنے بدن میں اپنے ہی ناخن گڑے رہے
اس خود اذیتی کے بھی چرچے بڑے رہے

نیچے ہی نیچے کاٹ رہی تھی زمیں کو موج
اور لوگ سطحِ آب کو تکتے کھڑے رہے

پھر بھی اپنی سمت نہ آئے کہاں کے پھول!
ہم بھی بہت دریچوں کے نیچے کھڑے رہے

سب کچھ بہا کے لے گئی اک تیز و تند موج
اور جیسے اپنی آنکھوں میں پتھر جڑے رہے

پھر چند پریاں آئیں اڑا لے گئیں انھیں
کچھ لمحے تھوڑی دیر زمیں پر پڑے رہے

آخر کو اپنی راہ پہ لے آئی زندگی!
اک عمر یوں تو ضد پہ ہم اپنی اڑے رہے

○

بہت تھا خوف جس کا پھر وہی قصہ نکل آیا
مرے دکھ سے کسی آواز کا رشتہ نکل آیا

چھلکتے دل کے آنگن میں ہوئی خوابوں کی پھر بارش
کہیں کونپل لہک اٹھی کہیں پتہ نکل آیا!

کسی بے نام خوشبو سے مہک اٹھی ہے تنہائی
کسی انجان آنچل سے کوئی سایہ نکل آیا!

گماں تھا زندگی بے سمت ہے منزل بیاباں ہے
مگر اک نام پر پھولوں بھرا رستہ نکل آیا!

جن آنکھوں کی اداسی میں بیاباں سانس لیتے ہیں
انھیں کی یاد میں نغموں کا یہ دریا نکل آیا!

وہ سر سے پاؤں تک جیسے سلگتی شام کا منظر
یہ کس جادو کی بستی میں دلِ تنہا نکل آیا!

خوشی مِلنے کی ہے لیکن بچھڑ جانے کا ڈر بھی ہے
تمہارے اور میرے درمیاں گردِ سفر بھی ہے

نہیں حرفِ وفا کوئی تو کچھ شکوہ ہی کر ڈالو ـــــــ
غنیمت ہے بہت یکجائی لیکن مختصر بھی ہے

تمہاری اک نظر نے کتنے افسانے سنا ڈالے
کہاں ٹوٹا خوشی کا بھرم تم کو خبر بھی ہے

اداسی حد سے بڑھ جائے تو ہم کو یاد کر لینا
سمجھ لینا، انھیں راہوں میں کوئی ہم سفر بھی ہے

کوئی دامن تو اپنے آنسوؤں کے نام کا ہوگا!
سنا ہے زندگی بے داد گر بھی داد گر بھی ہے

کوئی بے نام سی منزل دھندلکوں سے بلاتی ہے
قدم اٹھتے ہیں یوں جیسے ہمارا کوئی گھر بھی ہے

○

○

گردِ سفر بنے کہ بھٹکتی صدا ہوئے
وہ پھول جیسے لوگ خدا جانے کیا ہوئے
ممکن تھا ساتھ اور نہ پلٹنے کی راہ تھی!
وہ موڑ تھا عجیب جہاں ہم جدا ہوئے
ٹوٹے یہ کن اجالوں میں خوابوں کے سلسلے
سب آسرے کے نام پہ بے آسرا ہوئے
تھی زندگی تمام طلسموں کی داستاں
چھونے گئے تو رنگ وہ سارے ہوا ہوئے
بیتی رُتوں کی دھند میں جو کھو گئی کہیں
ہم بھی اسی کہانی کا اک سلسلہ ہوئے

وہ بولتا مہتاب لبِ بام نہیں ہے
کیا جائیں اب ان گلیوں سے کچھ کام نہیں ہے

منسوب اسی نام سے ہو جاتا ہے اکثر
وہ درد بھی جس درد کا کچھ نام نہیں ہے

ویسے بھی تو ہونی تھی کسی درد کی بارش
بدلے ہوئے موسم پہ کچھ الزام نہیں ہے

بادل تو اُسی سمت سے آتے ہیں مگر اب
لکھا ہوا ان پر کوئی پیغام نہیں ہے

تمغے کی طرح سینے پہ رسوائی سجا لیں
کچھ اور تو سچائی کا انعام نہیں ہے

○

پُرانے رابطے ٹوٹے تو کچھ نیا نہ ہُوا
دلوں کے کھیل میں کب ایسا واقعہ نہ ہُوا

وہ کر رہے تھے بڑی سادگی سے سچ کی بات
ہمارے ہاتھ میں اُس وقت آئینہ نہ ہُوا

سبھی اندھیروں کے راہی تھے ساتھ ساتھ چلے
مگر کسی سے کبھی کوئی آشنا نہ ہُوا

ہماری ہار کا منظر تھا آخری منظر
پھر اُس کے بعد کہیں کوئی حادثہ نہ ہُوا

فضا میں خوشبو کی مانند وہ بھی شامل ہے
میں اس سے دُور بھی رہ کر کبھی جدا نہ ہُوا

○

حبابوں کی طرح بننا ابھرنا، پھوٹتے رہنا
ہماری ایک اک امید کو ہے ٹوٹتے رہنا

دیا سانسوں کا سرمایہ مگر یہ قید بھی رکھدی
کہ اپنے آپ کو اب زندگی بھر لوٹتے رہنا

ستارہ، پھول، شیشہ ٹوٹتے ہیں اک دفعہ لیکن
لکھا ہے اپنے حق میں لمحہ لمحہ ٹوٹتے رہنا

سفر وہ ہے کہ پرچھائیں بھی آئیگی نہ ساتھ اپنے
ہمیں خود سے بھی ہے اب ہر قدم چھوٹتے رہنا

بظاہر کھیل ہے لیکن، کوئی طوفان لائے گا
یہ موجوں کا کناروں پر پہنچ کر ٹوٹتے رہنا

خواہش تھی کوئی خوابِ مجسّم بھی دیکھتے
قوسِ قزح کو چھو کے کبھی ہم بھی دیکھتے

ظاہر کے رنگ روپ نے نظریں ہی چھین لیں
ہوتی نظر تو شعلۂ شبنم بھی دیکھتے!

ہے کتنا سخت دل کہ بگڑتا نہیں کبھی!
ارمان ہی رہا اسے برہم بھی دیکھتے

آنکھوں میں آ کے رک گئے اشکوں کے قافلے
چھٹتی ذرا یہ بھیڑ تو کچھ ہم بھی دیکھتے

اپنی ہی آگ سے ہی پتھر پسیجتا
تپتی ہوئی چٹان کبھی نم بھی دیکھتے

رستوں پہ ہے سجے ہوئے آئینے خون کے
ان میں ہم اپنی شکل کا عالم بھی دیکھتے

○

نہ موت مانگی نہ تو زندگی طلب کی تھی !
ہمارے دل نے تمنا ہی کوئی کب کی تھی !

نہ پوچھ ریت کو دریا سمجھ لیا کیسے
بلا کی دھوپ بھی تھی پیاس بھی غضب کی تھی

ہوا کے ایک اشارے پہ جو بھڑک اٹھی !!
دبی دبائی نہ جانے وہ آگ کب کی تھی !

کرن کرن تھی اندھیروں کا پیرہن پہنے
ہماری صبح بھی تصویر جیسے شب کی تھی !

اتر گئے ہیں جہنم سمٹ کے سینے میں !
مری خطا کہ تمنا ہی کچھ عجب کی تھی !

اداس وقت کا دامن سلگ اٹھا جس سے
وہ آگ گیت کی تھی یا کسی کے لب کی تھی

کسی طرح سے ہمیں نے نباہ لی ورنہ
یہ جس کا نام ہے دنیا کب اپنے ڈھب کی تھی

○

دِن ڈھلا سُونے نگر روشن ہوئے
چاند چہرے بام پر روشن ہوئے

شام کے دامن میں کیسی آگ تھی
ہم اِدھر تارے اُدھر روشن ہوئے

جا بجا اُبھرے جزیرے نُور کے
رات کے آتے ہی گھر روشن ہوئے

جیسے جُگنو، جیسے تارا، جیسے یاد!
درد، قصّہ مختصر روشن ہوئے

دوریوں میں اور چمکے تیرے غم!
دھوپ میں تتلی کے پَر روشن ہوئے

سب نے اپنے طور برتی زندگی
سارے منظر آنکھ بھر روشن ہوئے

○

دن ڈھلا سونے نگر روشن ہوئے
جاگ اٹھیں موجیں بھنور روشن ہوئے

خون کے چھینٹے چراغاں کر گئے
شہر کے دیوار و در روشن ہوئے

کوئی خنجر بن گیا کوئی سپر!
اس سفر میں ہم سفر روشن ہوئے

جن میں اپنے آنسوؤں کی جوت تھی
وہ دیئے جانے کدھر روشن ہوئے

اپنے حصّے میں دھواں تھا آگ تھی
کچھ مکاں شاید ادھر روشن ہوئے ۔

ظلم خود اپنی گواہی بن گیا!
بے زباں سر دار پر روشن ہوئے

○

اب ہے زمیں سخت نہ ہے دور آسماں
سائے تمہارے ہوئے پارینہ داستاں

سائے کا عکس، عکس کا سایہ ہے چار سو
کیا دیکھئے، ہیں سارے مناظر دھواں دھواں

صدیوں سے چل رہے ہیں ان ہی کی طرف مگر
اتنی ہی دور اب بھی ہیں خوابوں کی بستیاں

کن ساحلوں کی گود میں کشتی چھپایئے
اک بے پناہ سیل ہے چاروں طرف رواں

آخر جھلستی دھوپ ہی کو سائباں کیا
سائے کی جستجو میں بھٹکتے کہاں کہاں

شائد ہے فاصلوں ہی کی اک شکل قرب بھی
دیوار سی کھڑی ہے کوئی اب بھی درمیاں

آنکھیں کھلی ہوں بند دریچے ہوں ذہن کے
جینے کی شرط ٹھیری ہے اب کے عجب یہاں

نکلے تھے دیکھنے کے لیے زندگی کے رنگ
اب جوڑتے ہیں بیٹھ کے خوابوں کی کرچیاں

○

کہیں نمی تیرے آنسوؤں کی کہیں تبسم کی روشنی ہے
تو دور ہے پھر بھی تیری خوشبو ہر ایک شئے میں بسی ہوئی ہے

اس ایک چہرے کو دوریوں نے ہزار چہرہ بنا دیا ہے
ہر ایک پرچھائیں پر گماں ہے تلاشِ جسکی تھی وہ یہی ہے

تمہارے جانے سے وقت ٹھہرا نہ چاند سورج نے راہ بدلی
اسی طرح ہے تمام لیکن کوئی نہ کوئی کہیں کمی ہے

پرانی تصویریں سب ہی ہیں مگر یہ کیسی مٹی مٹی ہیں!
نقوش ہی کچھ بدل گئے ہیں کہ گرد حالات کی جمی ہے

وہی ہے ملنا وہی بچھڑنا وہی چراغوں کی طرح جلنا
ہر ایک قصہ مگر جدا ہے ہر اک کہانی مگر نئی ہے

○

دِل سے یوں ٹوٹ کر آپ کے غم مِلے
جس طرح پھول سے آ کے شبنم مِلے

ہم تو نکلے تھے انسان کو ڈھونڈنے
دُور تک صرف پرچم ہی پرچم مِلے

جانے کس کا لہو تھا جو دھویا گیا!
آج بستی میں دامن سبھی نم مِلے

ایسا لگتا ہے دِل کی چِتا بجھ گئی!
آنسوؤں کے دیئے آج مدھم مِلے

کچھ کمی سی کھٹکتی رہی ہر جگہ!
رنگ پھیکے مِلے، لفظ مبہم مِلے!

یوں تو مِلنے کو مِلتے رہے سب مگر
جن سے مِل کر خوشی ہو بہت کم مِلے

○

آنکھ کھولی تو عجب سخت گھڑی دیکھی ہے
آگ برساتی گھٹا سر پہ کھڑی دیکھی ہے

ڈھونڈتا پھرتا ہوں تب سے میں بدن کو اپنے
جب سے چوراہے پہ اک لاش پڑی دیکھی ہے

کوئی دیکھے بھی تو اطراف کے منظر کیسے
چہرۂ سنگ میں ہر آنکھ جڑی دیکھی ہے

شوقِ نظارہ و آوارگی سب کو ہے مگر!
سب کے پیروں میں کوئی کیل گڑی دیکھی ہے

آنکھ کے سچ کا یقیں کیجے تو کیسے کیجے
اپنی پرچھائیں خود اپنے سے بڑی دیکھی ہے

دھنکے گالے کی طرح اڑنے لگے ہوش و حواس
اک قیامت سی نگاہوں نے کھڑی دیکھی ہے

شبنم کے آئینوں میں گلوں کی جوانیاں
موسم سنا رہا ہے دِلوں کی کہانیاں

بہکی ندی، ٹھٹکتی گھٹا، جھومتی پون!
مِلتی ہیں کتنے رنگ میں تیری نشانیاں

تنہائیوں کی رُت بھی سکوں سے گزار دیں
آئیں مگر نہ یاد تری مہربانیاں

دامن کی دھول میں ہیں کئی تجربوں کے پھول
گلیاں جہاں کی یونہی نہیں ہم نے چھانیاں

بچوں کا کھیل بن گئی جینے کی آرزو!
کاغذ کی ناؤ اور ندی کی روانیاں

اک دور تھا کہانی بھی لگتی تھی سچ ہمیں
سچائیاں بھی لگتی ہیں اب تو کہانیاں

دامانِ شب میں ٹانک دیئے کچھ صدا کے پھول
سمجھو تو یوں بھی ہوتی ہیں جادو بیانیاں

کیوں روح پہ اک بوجھ ہے اب کس کو بتائیں
ہم اپنی اداسی کا سبب کس کو بتائیں!

کیا بات ہے کیوں بجھتی نہیں پیاس ہماری!
کس آگ کے پیاسے ہیں یہ لب کس کو بتائیں

کس یاد کی پرچھائیں ہے آئینۂ دل میں!
برہم ہوئی کیا بزم طرب کس کو بتائیں

کس رات جگے، کیسے جگے، بیتی ہے کیا کیا
پوچھے گا یہ سب کون یہ سب کس کو بتائیں

کس کھوج میں پھرتی ہیں بھٹکتی ہوئی آنکھیں
کس چہرے کی آخر ہے طلب کس کو بتائیں

آنکھوں میں سجائے ہوئے پھرتے تھے جسے ہم!
ٹوٹا ہے بلّورِ خواب وہ کب کس کو بتائیں!!

یہ حادثات بھی تحریر ہوں کہانی میں
شرارے بجھتے رہے نہر کی روانی میں

بہا کے لے گئی اک تند موج جب سر بھی
وہ عکس دیکھنے آیا تھا بہتے پانی میں

اتر کے شاخوں سے پتے زمیں پہ لیٹ گئے
مگر وہ شے جو گنوا آئے ربطِ ثانی میں

جدھر بھی پیر بڑھاؤں زمین ہٹ جائے
گھرا ہوا ہوں عجب سحرِ ناگہانی میں

وہ کوئی برف کی چٹان تھی، پہ گھلتی گئی
شل اپنے ہاتھ ہی کر آئے چھیڑ خانی میں

قریب آکے بھی ہے اس کا رکھ رکھاو بھی
کچھ احتیاط بھی شاملِ تھی مہربانی میں

○

عمر بھر کو اک یہی غم ہے بہت!
جو ملی مہلت ہمیں کم ہے بہت

دِل میں تیرا دَرد کم کم ہے بہت
چاند کی لَو آج مدہم ہے بہت

کوئی بچھڑا ہے یقیناً پھر یہاں!
دور تک رستے میں شبنم ہے بہت

دیکھ کر رکھنا قدم اس راہ میں!
آنسوؤں سے یہ زمیں نم ہے بہت

کہہ رہا تھا چاند اپنے عکس سے
مِل سکے تو ایک ہمدم ہے بہت

ہیں وہی دہرائی باتیں روز کی!
محفلوں میں کچھ نیا کم ہے بہت!

○

جانے دوست ہیں یا دشمن بھیس بدل کر آتے ہیں
اُن سے بھی ڈر لگتا ہے، اکثر جو گھر آتے ہیں

جب بھی لیٹوں بستر پر، درد کے لشکر آتے ہیں
نیند کے بدلے آنکھوں میں، جلتے منظر آتے ہیں

چیخ لہو کو جھلساتی، سوگ میں ڈوبا سناٹا
سوچ دریچے کھلتے ہی، کیا کیا پیکر آتے ہیں

دشمن تو پھر دشمن ہے، اس کی شکایت کیا کیجے
اپنوں کی بھی جانب سے، اب تو پتھر آتے ہیں

پھول کی شبنم دل کا سکوں، ہو جاتے ہیں قتل سبھی
جانے ہوا کے ہاتھوں میں، کیسے خنجر آتے ہیں

ظلم کی ناگن نفرت کی، بین پہ سر سر لہرائے
روز سپیرے کھیل یہی، لے کر گھر گھر آتے ہیں

بات الگ ہے محفل کی، لیکن تنہا ہوتے ہی
جانے کہاں سے آنکھوں میں، اتنے سمندر آتے ہیں

○

چار قدم ہر راہ پہ چل کر دیکھ لیا لوٹ آئے ہم
آتے آتے پاس تمھارے کس کس سے ٹکرائے ہم

خوشبو خوشبو پیار تمھارا، جیسے بیل چمیلی کی
دھوپ بہت تھی راہ میں لیکن سائے سائے آئے ہم

الجھے الجھے ریشم جیسی، دل کی ساری باتیں ہیں
کیا چاہے یہ آخر ہم سے خود بھی سمجھ نا پائے ہم

ٹوٹے تارے اندھیارے، کچھ اور بڑھا کر ڈوب گئے
لے کر پل دو پل کے اجالے خود بھی بہت پچھتائے ہم

چاند نہیں تو کوئی ستارہ، کوئی دیا ہی دان کرو
روشنیوں کے ہمجولی تم، راتوں کے ہمسائے ہم

یونہی تمھاری باتوں سے جو پھوٹ پڑی بے دھیانی میں
اسی کرن سے دیکھو کتنے دیپ جلا کر لائے ہم

یہی چہرہ، یہی آنکھیں، یہی رنگت نکلے!
جب کوئی خواب تراشوں، تری مورت نکلے!

اسی امید پہ، خوابوں سے سجالیں نیندیں
کبھی ممکن ہے کوئی خواب، حقیقت نکلے

اُس سے وابستہ اِک اِک چیز کو چھوکر دیکھیں
دل بہل جانے کی شاید کوئی صورت نکلے

ایک خوشبو کے تعاقب میں سفر ہے پھر سے!
پھر کوئی دشت نہ اس راہ کی قسمت نکلے

جانتے سب ہیں بکھرنا ہے مقدر اپنا
چاہتے سب ہیں مگر یہ نہ حقیقت نکلے

زندگی تھی کسی بازار کا منظر جیسے
ہم بھی ماتھے پہ سجائے ہوئے قیمت نکلے

○

پھر دیے جلنے لگے، آنے لگے پھر یاد لوگ
فاصلے رکھ رکھ کے پھر کرنے لگے بیداد لوگ

اور دل میں تھا ہی کیا ویرانیٔ دل کے سِوا
اس خرابے میں بھی لیکن، ہو گئے آباد لوگ

ہم ہیں اپنے آپ میں اِک داستاں سن لو ہمیں
اپنے ہاتھوں آپ گم، ہوتے ہیں یوں برباد لوگ

ربط بڑھتا بھی تو کیسے، ساتھ نبھتا بھی تو کیوں!
قید ہم اپنے بھنور میں، اور تم آزاد لوگ!

آندھیوں کے دوش پر، بنیاد ہر رشتے کی ہے
کیا سمجھ کر ہو رہے ہیں، اس قدر دلشاد لوگ

ہم سے کیا دامن بچانا، ہم سے کیا ناراضگی
ہیں تمھاری بزم کی رونق ہمیں ناشاد لوگ

○

احساس کی لو چھین لے، نظروں کو بجھا دے
اس دور میں جینے کا مجھے کچھ تو صِلہ دے

نومیدی و امید کے زینوں میں نہ بھٹکا!
اس بھول بھلیاں کی عمارت ہی کو ڈھا دے

ہاتوں سے سپر چھین لے، بازووں کو شل کر
اِک عمر کے پیکارِ مسلسل کا صِلہ دے

پتھر میں نہ رکھ قید مقدر کے لکھے کو
دریاؤں کی تحریر بنا، اور بہا دے

مجرم ہوں اگر میں، تو ہے تشہیر بھی لازم
لکھ نام ہواؤں پہ میرا اور اڑا دے

مختار ہے تو، اوروں کے مانند مجھے بھی
پتھر کی طرح جینے کے اندازِ سکھا دے

○

اداس سرگوشیوں میں کہتا گذر رہا ہے گذرنے والا
تمام بستی میں کوئی باقی نہیں گناہوں سے ڈرنے والا

کھڑی ہے تیار فصل لیکن، ہوائیں اعلان کر رہی ہیں
کہاں کے کھلیان، کیسے خرمن، ہے دانہ دانہ بکھرنے والا

اڑان تو بھر رہے ہیں پنچھی، مگر یہ دھڑکا لگا ہوا ہے
بڑھے کہیں سے نہ ہاتھ کوئی، پروں کو ان کے کترنے والا

کنویں کی تہہ میں ستارے جیسا، پڑا جھلکتا ہے جانے کب سے
نہ ہے وہاں تک پہنچ رہٹ کی، نہ خود ہے پانی ابھرنے والا

لدی ہیں خوشبو سے پھر ہوائیں، پھلوں کے پکنے کی فصل آئی
فضا میں دیکھو کوئی نہ کوئی، پرند ہوگا اترنے والا

ببول کی پھلیوں کی رُن جھُن، خموش رستے پہ گونج اٹھی
جو سوئی سوئی فضا جگا دے، اِدھر سے پھر ہے گذرنے والا

بنا پلک جھپکے منتظر ہے، تلاؤ کا ٹھہرا ٹھہرا پانی
نہ جانے کس نیند سو رہا ہے، اس آئینہ میں سنورنے والا

○

بکھرتے ٹوٹتے آنکھوں میں خواب کیسے ہیں
یہ لمحہ لمحہ اترتے عذاب کیسے ہیں !!!

وہی ہے رنگ مگر بو ہے کچھ لہو جیسی
یہ اب کی فصل میں کھلتے گلاب کیسے ہیں

بڑھا کے پیاس جو ریگِ رواں میں ڈوب گئے
ذرا پتہ تو کرو وہ سراب کیسے ہیں!!!

بس ایک سچ کے سوا ساری داستاں لکھ دیں
ہمارے دور کے صاحب کتاب کیسے ہیں!

ہوا نہیں ہے کوئی غرق زیرِ آب تو پھر!!
یہ سطح آب پہ اُٹھتے حباب کیسے ہیں

خلوص رہ گیا بس اک مکالمہ بن کر
حضور کیسے ہیں، عالی جناب کیسے ہیں!

○

نہ ہنسی ہی لب پہ ٹھہر سکی، نہ تو آنکھ ہی میں تری رہی!
تھیں کچھ ایسی وقت کی گردشیں کہ ہر ایک شئے سفری رہی

وہی ایک عالم خواب سا، وہی چہرہ چہرہ سراب سا
وہی اک عجیب سی تشنگی، وہی اپنی در بدری رہی!!

نہ کوئی طلب تھی نہ آرزو، نہ تو کوئی تھا میرا ہم سبو
جو صراحی تھی مرے نام کی وہ مرے ہی خوں سے بھری رہی

یہ ہجوم لالہ و گل بجا، کروں کیا پرائی بہار کا
مری اپنی ہے وہی شاخ جو، مرے آنسوؤں سے ہری رہی

ملے حادثے تو کئی مگر، نہ رکے قدم نہ جھکا یہ سر
کہ شناخت اپنے وجود کی، یہی اپنی بے جگری رہی

○